انوشا کی واپسی

محمد یونس حسرت

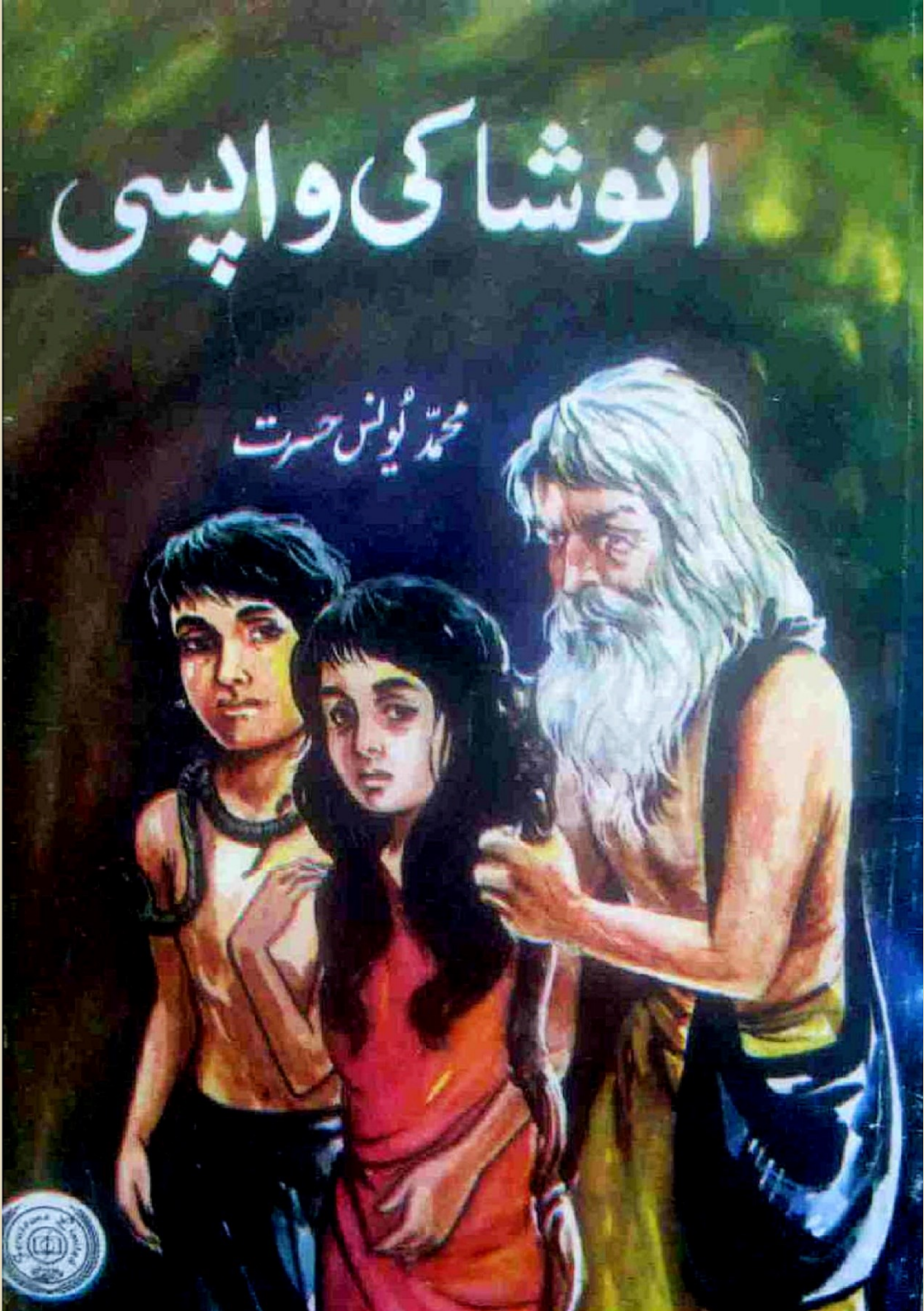

انوشا کی آپ بیتی

ساتواں حصّہ

انوشا کی واپسی

بچوں کے لئے ناول

محمد یونس حسرت

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار ۱۹۷۹

تعداد ۴۰۰۰

قیمت ۴۔۰۰

فہرست

مان سُروَر کی کانتا 8

جہلم کے کنارے 25

مَست ہاتھی 44

سلیوکس اور چندر گُپت کی جنگ 57

ہیلن کہاں گئی! 82

شیش ناگ کے قدموں میں 95

بجرنگ 117

بجرنگ کا بیٹا 131

اشواکوں کی بیٹی 145

شیش ناگ کی امانت 155

چندر گُپت اور ہیلن کی شادی 168

پَرور پُور میں 180

انوشا کی واپسی 191

مان سُروَر کی کانتا

ہم دھولاگری سے چلے اور شوالک کی طرف جاتے ہوئے۔ کانگ مار سے گُزرے۔ یہ وہ جگہ تھی جسے چندرا سپیرن نے اپنا وطن بنایا تھا۔ کانگ مار سے گُزرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ کُچھ عجب نہیں کہ یہاں چندرا جیسے ناگ اور بھی ایسے ہوں، جنہیں اپنا روپ بدل لینے کی طاقت حاصل ہو، مگر کانگ مار کے سارے علاقے میں ہمیں ایسا ناگ تو کُجا کوئی عام اور معمولی قسم کا ناگ بھی نظر نہ آیا۔

یہ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ مگر یہ حیرانی شوالک کے دامن میں پہنچ کر دُور ہوئی۔ شوالک کے دامن میں چھوٹے سے ایک چشمے کے پاس، ایک غار میں ہم نے ایک ایسی عورت کو دیکھا جو ناگوں کی رانی کہلاتی تھی۔ ناگوں کی اِس رانی کا نام کانتا تھا اور وہ غار میں ہزاروں ناگوں کے ساتھ یوں رہتی تھی جیسے کوئی رانی اپنے محل میں سہیلیوں اور نوکرانیوں کے درمیان رہتی ہو۔ یہ عورت اِردگرد کے علاقے کے تمام ناگوں کی رانی تھی۔ چاروں طرف سینکڑوں کوس تک کے سانپ مہینے میں ایک بار ضرور اِسے سلام کرنے آتے تھے اور اِس وجہ سے اِس کے اِردگرد ہر وقت سانپوں کا میلا سا لگا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے کانگ مار میں کوئی ناگ نہیں دیکھا تھا۔ جس وقت ہم اِس علاقے سے گُزر رہے تھے، اُس وقت وہاں کے ناگ ناگوں کی رانی کو سلام کرنے گئے ہوئے تھے۔

کانتا لمبے قد کی عورت تھی۔ اُس کے گھنے بال چاندی کے تاروں کی طرح سفید اور چمک دار تھے۔ ناک نقش اگرچہ اچھّا تھا مگر سر سے پاؤں تک تمام بدن کی رنگت خوف ناک حد تک سیاہ تھی۔ اِس سیاہی میں بھی دہکتی ہوئی آگ کی سی سُرخی کی جھلک دِکھائی دیتی تھی۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھیں انگاروں کی طرح لال تھیں۔ اِس حُلیے کے ساتھ اُس کے بدن سے لپٹے ہوئے ناگ اُسے کُچھ اور ڈراؤنا بنا رہے تھے۔

مگر اپنا یہ رُوپ ناگوں کی رانی نے خود نہیں بنایا تھا۔ اُس کے اِس رُوپ کے پیچھے ایک حیرت انگیز داستان پوشیدہ تھی۔ اور یہ داستان اُس وقت سے شروع ہوتی تھی جب کانتا کے باپ نے اُسے شیل شرنگن کی پہاڑی پر ناگیش مہاراج کے سپرد کیا تھا۔

وہ مان سُروور کے راجا کی اکلوتی بیٹی تھی اور اِتنی خوب صورت تھی کہ چاند

بھی اُسے دیکھ کر شرماتا تھا۔ راجا نے تربیت کے لیے اُسے ناگیش مہاراج کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ شیل شرنگن کی پہاڑی پر جِن دِنوں سارنگ بابا اپنے گرو کی ٹہل سیوا کیا کرتے تھے، اُن دِنوں کانتا بھی وہیں ہوا کرتی تھی۔ اُس کے باپ نے تو اُسے ناگیش مہاراج کے پاس اِس لیے چھوڑا تھا کہ وہ اُن کے پاس رہ کر کُچھ بن جائے مگر اُس کی طبیعت پوجا پاٹ کی طرف آتی ہی نہیں تھی۔ وہ تو پھُول چُن چُن کر اپنے لیے ہار اور گجرے بناتی رہتی یا ناگیش مہاراج کے پالتو ہرن کے ساتھ معصوم بچّی کی طرح کھیلتی پھرا کرتی۔

ناگیش مہاراج چاہتے تو اپنے علم کے زور سے زبردستی اُس کا دھیان پوجا پاٹ کی طرف لگا سکتے تھے، مگر وہ یہ چاہتے تھے کہ کانتا خود اپنی مرضی سے اِس راستے پر آئے۔ ویسے بھی اُنھوں نے اُسے اپنی مُنہ بولی بیٹی بنا

رکھا تھا۔ اِس لیے وہ اُس کے معاملے میں زبردستی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

مگر کانتا کا معاملہ ہی اور تھا۔ وہ پُوجا پاٹ کی طرف آنے کے بجائے اُس سے دور ہوتی گئی۔ پھر جب سیل شرنگن کی پہاڑی پر کُچھ شرارتی لوگ ایسے آ گئے جو ناگیش مہاراج کے گیان دھیان میں گڑبڑ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے تو سارنگ بابا نے اپنے گرو کو خوش کرنے کی خاطر اُن لوگوں سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ ایک مُقابلے میں اُن لوگوں نے سارنگ بابا کو جان سے مار ڈالا اور اُن کی لاش جلا کر اُس کی راکھ پانی میں گھولی اور ناگیش مہاراج کے پالتو ہرن کو پلا دی۔ ناگیش مہاراج نے سارنگ بابا کو غائب پا کر اپنے عِلم کے زور سے معلوم کر لیا کہ سارنگ بابا اُن کے پالتو ہرن کے پیٹ میں ہیں۔ اُنھوں نے منتر پڑھا تو سارنگ بابا ہرن کے پیٹ میں زندہ ہو کر بول پڑے۔ ناگیش مہاراج نے ہرن کا پیٹ چاک کر کے اُنہیں باہر نکالا اور

کُچھ پڑھ کر مُردہ ہرن کو اُن شرارتی لوگوں کی طرف پھینک دیا جِس سے وہ لوگ وہاں سے ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئے۔

یہ سارا ماجرا کانتا کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا، اور ناگیش مہاراج کو اپنے پالتو ہرن کی جُدائی کا بڑا دُکھ تھا۔ خیال تھا کہ اور کُچھ نہیں تو ناگیش مہاراج کو خوش کرنے کی خاطر ہی کانتا پُوجا پاٹ کرنے لگے گی، مگر ہوا یہ کہ وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ اِس طرف سے غافل رہنے لگی۔ آخر ایک روز ناگیش مہاراج نے کانتا کو اپنے پاس بُلایا اور کہنے لگے :

"کانتا بیٹی! میں نے بڑی کوشش کی کہ تُو کُچھ بن جائے اور مُجھے اپنے دوست سے شرمندہ نہ ہونا پڑے، مگر شاید تیری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ تکلیف اور دُکھ اُٹھائے بغیر تُجھے کُچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ جا! آج سے تُو یہاں نہیں، شوالک کے دامن میں رہے گی۔ جِس رُوپ پر تُجھے اتنا گھمنڈ

ہے، وہ تُجھ سے چھِن جائے گا۔ تُو ناگ کھائے گی اور ناگ تُجھے کھائیں گے۔ دیکھنے والوں کو تُجھ سے خوف آئے گا اور تُو اُس وقت تک اِس حال میں رہے گی جب تک سارنگ یہاں سے پچھّم کی طرف جا کر پُورب کی طرف سے ہوتا ہوا، تیرے پاس نہیں آتا۔ جا! یہاں سے چلی جا!"

اور یہ الفاظ کہتے ہوئے ناگیش مہاراج نے ہوا کے جھونکے کی طرح کانتا کو شیل شرنگن کی پہاڑی سے اُٹھا کر شوالک کے دامن میں، چشمے کے پاس، غار میں پہنچا دیا۔ وہ دھم سے چشمے کے پاس آ کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

جب اُسے ہوش آیا تو چشمے کی طرف گئی، مگر چشمے کے پانی میں اپنا عکس دیکھ کر اُس کی چیخ نکل گئی۔ اُس کی گوری چِٹّی اور دودھ میں بنائی ہوئی رنگت سیاہ پڑ گئی تھی۔ اُس کے گھنے، سیاہ، لمبے لمبے بال چاندی کے تاروں کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ اور وہ جو شیل شرنگن کی پہاڑی پر اپنے

ہی دھیان میں مگن رہنے کی وجہ سے پُوجا پاٹ سے دور رہتی تھی، رُوپ سرُوپ کے چھلتے ہی اپنے آپ اِس راہ پہ آ گئی۔ اُس کا سارا وقت پُوجا پاٹ میں بسر ہونے لگا۔

پھر اماوس کی رات آئی اور چاروں طرف سے ناگ آ آ کر اُس کے جسم سے لپٹنے اور ڈسنے لگے۔ اور پھر ہوتے ہوتے یہی ناگ اُس کی زندگی بن گئے۔ اُن کا زہر کانتا کی خوراک بن گیا، ناگوں کے زہر نے اُسے سینکڑوں کوس تک کے ناگوں کی رانی بنا دیا۔ ہر وقت اُس کے اِرد گرد سانپوں کا میلا لگا رہنے لگا۔

ناگوں کا زہر کانتا کی خوراک بن چکا تھا مگر اِس کے باوجود اماوس کی رات اور اس کے بعد کی دو تین اندھیری راتوں میں اُس کی جان پر جو بیتتی تھی، وہ کُچھ وہی جانتی تھی۔ یہ دو تین راتیں وہ بُری طرح تڑپتے پھڑکتے اور

چیختے چِلّاتے گزارتی تھی۔ اُس کے بدن پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے چھالے پڑ جاتے تھے اور جب اُس کے تڑپنے پھڑکنے سے یہ چھالے ٹوٹتے تھے تو اُس کا جِسم ایسا غلیظ اور بدبُودار ہو جاتا تھا کہ دیکھنے والے کو گھِن آتی تھی۔

مگر آسمان پر نیا چاند نظر آنے کے ساتھ اُس کا جسم جگ موہن رِشی کی طرح کینچلی نہیں بدلتا تھا۔ جگ موہن رِشی تو آسمان پر نیا چاند نظر آنے کے ساتھ جب اپنی کُٹیا کے دروازے پر آتا تھا تو اُس کا چہرہ ایسے کُندن کی طرح دمکتا نظر آتا تھا جو تازہ تازہ بھٹّی سے نکلا ہو۔ مگر کانتا کا معاملہ اُس سے مختلف تھا۔ ہر نئے چاند کے ساتھ اُس کے جسم کی رنگت پہلے سے زیادہ سیاہ ہو جاتی تھی اور اِس سیاہی میں دہکتی ہوئی آگ کی سُرخی کی جھلک پہلے سے بڑھ جاتی تھی۔

کانتا کو اپنی اِس حالت پر کوئی دُکھ نہیں تھا۔ وہ اگر یہ اپنی ظاہری خوب صورتی سے محروم ہو چُکی تھی، مگر پُوجا پاٹ نے اُس کے دِل کو بڑا سکون بخشا تھا۔ سارے مہینے وہ پُوجا پاٹ میں مصروف رہتی تھی اور پھر اماوس کی اندھیری رات کو آنے والے ناگوں کا یُوں انتظار کرتی تھی جیسے کوئی اپنے مہمانوں کا انتظار کرتا ہے۔

مگر اِس کے باوجود اُسے ناگیش مہاراج کے کہے ہوئے الفاظ اچھّی طرح یاد تھے۔ اُنھوں نے کہا تھا :

"تُو اُس وقت تک اِس حال میں رہے گی جب تک سارنگ یہاں سے پچھّم کی طرف جا کر پورب کی طرف سے ہوتا ہوا، تیرے پاس نہیں آتا۔"

اسی لیے اُسے سارنگ کا انتظار تھا۔

آخر سارنگ بابا انوشا اور اُوشا کے ساتھ، پُورب کی طرف سے ہوتے ہوئے، شوالک کے دامن میں اس چشمے کے پاس جا پہنچے جِس کے کنارے کانتا کھڑی نہ جانے کب سے ناگیش مہاراج کی کہی ہوئی بات کے پورا ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

اُس وقت کا سارنگ اب سارنگ بابا تھا اور اُس وقت کی خوب صورت کانتا اب ایک خوف ناک سیاہ چہرے والی کانتا تھی۔ اِس کے باوجود اُنہوں نے فوراً ہی ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

"سارنگ! یہ تُم ہو!"

"کانتا! یہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں!"

کانتا کی نظروں میں حیرانی ہی حیرانی تھی۔ خاصی دیر تک وہ حیرت بھری

نگاہوں سے سارنگ بابا کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اُس نے میری اور اُوشا کی طرف دیکھا۔

"یہ کون ہیں؟"

"اپنے ہی بچّے ہیں۔" سارنگ بابا بولے۔ "یہ انوشا ہے اور۔۔۔" "میں شِیش ناگ کی بیٹی ہوں۔" اُوشا نے تیزی سے کہا۔ "پشکلاوتی کے شِیش ناگ کی بیٹی۔۔ میرا نام اُوشا ہے۔"

"شِیش ناگ کی بیٹی۔" کانتا نے آہستہ سے یہ الفاظ دُہراتے ہوئے اُوشا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ "صورت شکل سے بھی تُو شیش ناگ کی بیٹی ہی لگتی ہے۔ یہ بتا، ناگوں کی رانی کے لیے کیا تحفہ لائی ہے؟"

"وہ تُحفہ میرے پاس ہے۔" سارنگ بابا بولے۔

"تو لاؤ، انتظار کیوں کرا رہے ہو؟" کانتا بولی۔ "اِسی کے لیے تو میں نے ایک ایک دِن گِن کر بِتایا ہے۔"

سارنگ بابا نے اپنے تھیلے سے وہ پوٹلی نکالی جس میں کانگ مار کی ناگن کی راکھ تھی اور کانتا کی طرف بڑھا دی۔ کانتا نے پوٹلی کھولی، راکھ کو پانی میں گھولا اور ایک دم اُسے اپنے حلق میں اُنڈیل لیا۔

دوسرے ہی لمحے کانتا کا سارا جسم لکڑی کی طرح جل اُٹھا اور وہ اپنے جلتے ہوئے جسم کے ساتھ ہی چشمے میں کُود گئی۔ جیسے ہی اُس نے چشمے میں چھلانگ لگائی، سارنگ بابا نے مُجھے اشارہ کیا اور میں نے بین بجانی شروع کر دی۔ یہ مہا تالی کی دُھن تھی۔

کانتا کے چشمے میں چھلانگ لگاتے ہی پانی میں آگ سی لگ گئی۔ چشمہ ایک

دہکتے ہوئے الاؤ کی شکل اختیار کر گیا اور ایک گہرا بادل سا اُس کی سطح سے اُٹھنے لگا۔ اُس بادل کی رنگت کبھی سیاہ ہو جاتی، کبھی اُس میں سُرخی کی جھلک نظر آنے لگتی اور کبھی اُس کا رنگ مٹیالا اور کبھی زرد ہو جاتا۔

میں بِین پر مہا تالی کی دُھن بجاتے ہوئے چشمے کی سطح پر رنگ برنگ بادلوں کا یہ تماشا دیکھ رہا تھا اور اِس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں کبھی سارنگ بابا کے دوست سردار کی بیوی کی تندرستی والے جشن کا منظر آتا تھا اور کبھی میرا دھیان کیسر ناگ والے چشمے کی طرف جاتا تھا۔ میں سوچتا تھا کیا کانتا بھی اُس چشمے میں اُسی طرح غائب ہو جائے گی جس طرح وہ شخص اپنے بدن میں آگ لگنے کے بعد جوہڑ میں چھلانگ لگانے کے بعد غائب ہو گیا تھا؟ یا جِس طرح کیسر ناگ کا اژدہا چشمے میں کُود جانے کے بعد غائب ہو گیا تھا؟

مگر نہیں۔۔۔ یہاں تو ایک اور ہی منظر میری آنکھوں کے سامنے آنے والا تھا۔

میں بین بجاتا رہا اور چشمے کی سطح سے اُٹھنے والا بادل آہستہ آہستہ غائب ہوتا گیا۔ اور جب یہ بادل بالکل غائب ہو گیا تو سارنگ بابا نے مُجھے بین بند کرنے کا اشارہ کیا۔ میں نے بین ہونٹوں سے ہٹائی اور چشمے کی طرف دیکھا۔

جوہڑ اور کیسر ناگ کے چشمے کی طرح یہ چشمہ خُشک نہیں ہوا تھا۔ نہ اِس کا پانی بھاپ بن کر اُڑا تھا، اور نہ کانتا غائب ہوئی تھی۔ وہ چشمے کے پانی کی سطح پر تیر رہی تھی۔ اور پھر وہ چشمے سے نکل کر ہماری طرف آئی۔

مُجھے یُوں لگا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں! یہ وہ کانتا نہیں تھی جِس نے چشمے

میں چھلانگ لگائی تھی، اُس کے سر سے پاؤں تک تمام بدن کی رنگت سیاہ تھی اور اُس کے گھنے بال چاندی کے تاروں کی طرح سفید تھے۔ مگر یہ کانتا جو چشمے سے باہر آئی تھی، اُس کی رنگت گوری چِٹّی اور دودھ میں نہائی ہوئی تھی۔ اور اِس اُجلی اُجلی رنگت پر اُس کے گھنے سیاہ بال کالے کالے ناگوں کی طرح کمر تک لہرا رہے تھے۔

کانتا نے چشمے سے باہر آتے ہی سارنگ بابا کے پاؤں چھوئے، پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ "سارنگ بابا! تمہاری مہربانی سے آج ناگیش مہاراج کا کہا پورا ہوا۔ ناگوں کی رانی کو اُس کا اصل رنگ روپ واپس مل گیا۔ اب ایک مہربانی اور کرو۔ مُجھے اپنے ساتھ ناگیش مہاراج کی خدمت میں لے چلو۔ شاید وہ میرا پچھلا قصور بخش کر مُجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیں۔ شاید اِس طرح میں اُن کی خدمت کر سکوں اور یوں میری پہلی

غلَطیوں کے داغ دُھل جائیں۔"

سارنگ بابا کو کیا عُذر ہو سکتا تھا۔ ہم ناگوں کی رانی کانتا کے ساتھ شیل شرنگن کی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گئے۔

جہلم کے کنارے

ہم شیل شرنگن کی پہاڑی کی طرف جا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ وہاں جا کر ہم ناگیش مہاراج کی خدمت میں نذرانے اور تحفے کے طور پر کیا پیش کریں گے۔ میں نے سارنگ بابا سے بات کی تو وہ مُسکراتے ہوئے بولے :

"کانتا، انوشا اور اُوشا سے اچھّا تحفہ کیا ہو سکتا ہے۔"

"مگر ہمیں کوئی نذرانہ بھی تو پیش کرنا چاہیے، اُنہیں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں نے کُچھ سوچا۔ پہلے بھی میں اِس بارے میں سوچ ہی رہا تھا۔ یکایک جیسے میرے دماغ میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں نے کہا۔ "بابا جی کیسر ناگ کے ہیروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیوں نہ ہم وہ ہیرے لے آئیں اور ناگیش مہاراج کی خدمت میں پیش کر دیں۔"

سارنگ بابا مُسکراتے ہوئے کہنے لگے۔ "تُم چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔ جاؤ اور وہ ہیرے لے آؤ۔ ہم یہیں تمہارا انتظار کریں گے۔" اس وقت دوپہر کا وقت تھا اور ہم ایک جنگل کے پاس سے گُزر رہے تھے۔ سارنگ بابا، کانتا اور اُوشا وہیں ٹھہر گئے اور میں آنکھ جھپکتے میں کیسر ناگ کے جنگل میں جا پہنچا۔

اِسی جنگل میں چوتھی پہاڑی کے قریب وہ چشمہ تھا جِس کا پانی کُچھ دُور تک بل کھاتے ہوئے بہنے کے بعد کیسر ناگ کے جنگل کے گھنے درختوں میں غائب ہو جاتا تھا۔ اس چشمے سے ذرا فاصلے پر وہ پُراسرار اور خوف ناک غار تھا جس میں ناگوں کے ناگ کیسر ناگ کا بسیرا تھا اور جہاں سے وہ ہر مہینے کی چودھویں رات کو اپنے اژدہے پر سوار ہو کر جنگل کی سیر کرنے کے لیے آتا تھا۔ اِس سیر کے دوران جو بھی جان دار، انسان یا حیوان اُس کے نزدیک آتا تھا، وہ اُس کی تیز خوشبُو سے بے ہوش ہو جاتا تھا اور پھر اژدہے کا لُقمہ بن جاتا تھا۔ کیسر ناگ کے جنگل میں جگہ جگہ ایسے انسانوں اور حیوانوں کی ہڈّیوں کے پنجر بکھرے پڑے تھے۔

مگر یہ سب پرانی باتیں تھیں۔ کیسر ناگ کو قابو میں کرنے کے بعد سارنگ بابا نے اُسے کھینچ کر دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ ایک ٹکڑا وہ خُود کچر کچر چبا گئے

تھے اور دوسرا اُنھوں نے زبردستی میرے حلق سے نیچے اُتار دیا تھا۔ یہ اُسی کا اثر تھا کہ سارنگ بابا اور میں پل بھر میں کیسر ناگ کے جنگل سے اِس جوہڑ کے پاس پہنچ گئے تھے جہاں سے ہمیں سفید اور سُرخ ہیرے لیے تھے۔ اور یہ اُسی کا اثر تھا کہ میں آنکھ جھپکتے میں شوالک کے دامن سے کیسر ناگ کے جنگل میں آ پہنچا تھا۔

میں نے اپنے سامنے نگاہ کی۔ چشمہ تو شاید اُسی وقت خشک ہو گیا تھا، جب کیسر ناگ کی سواری کے اژدہے نے اپنے جلتے ہوئے جسم کے ساتھ اس میں چھلانگ لگائی تھی۔ اب وہاں ایک بڑا سا گڑھا دِکھائی دے رہا تھا۔ میں اِس گڑھے میں اُتر گیا۔

مُجھے یوں لگا جیسے کیسر ناگ کی سواری کا اژدھا گڑھے کی تہہ میں کُنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ واقعی وہ گڑھے کی تہہ میں موجود تھا۔ مگر یہ جیتا جاگتا اژدھا نہیں،

پتھرّ کا اژدھا تھا۔ چشمے کے پانی اور کیچڑ کے ساتھ مل کر اُس کا جسم پتھرّ ہو گیا تھا۔

اژدھے کا جسم اگرچہ پتھرّ کی طرح سخت ہو گیا تھا مگر پتھرّ کی یہ سختی میرے لیے کُچھ معنی نہیں رکھتی تھی۔ میں نے اُس کو دُم کی طرف سے تھوڑا سا توڑا تو ایک دم میری نظروں میں چکا چوند سی ہونے لگی۔ ایک جگمگ جگمگ کرتا ہیرا دِکھائی دے رہا تھا۔ اِس ہیرے کی رنگت کیسری تھی مگر اِس کیسری رنگت میں آگ کے شُعلوں کی سی سُرخی جھلک رہی تھی۔

میں نے اژدہے کے جسم کو توڑ توڑ کر ہیرے نکالنے شروع کیے۔ اژدہے کا پتھرّ کی طرح سخت جسم میرے ہاتھوں میں نرم مٹّی کے ڈھیلوں کی طرح ٹوٹتا جا رہا تھا۔ جلد ہی گڑھے کی تہہ میں کیسری ہیروں کا ایک ڈھیر سا لگ گیا۔ میں نے یہ تمام ہیرے سمیٹے اور باہر نکل آیا۔

پھر جیسے آنکھ جھپکتے میں، میں شوالک کے دامن سے کیسر ناگ کے جنگل میں آگیا تھا۔ اِسی طرح آنکھ جھپکتے میں کیسر ناگ کے جنگل سے واپس اُس جنگل کے پاس پہنچے گیا جہاں سارنگ بابا، کانتا اور اُوشا میرا انتظار کر رہے تھے۔

سارنگ بابا کو دیکھتے ہی میں نے خوشی سے کہا۔ "میں ہیرے لے آیا ہوں۔ یہ دیکھیے!"

"اُنہیں اپنے پاس ہی رکھو انوشا بیٹے۔" سارنگ بابا نے کہا۔ "تُم نے اپنے خیال کے مطابق ناگیش مہاراج کے لیے تحفے کا بندوبست کر لیا۔ یہی کافی ہے۔ آؤ اب آگے چلیں۔"

ہم چند قدم ہی بڑھے تھے کہ فضا میں ایک تیز اور پُراسرار خوشبُو پھیل گئی۔

یہ خوشبُو پُراسرار ہونے کے باوجود کُچھ کُچھ مانوس سی لگ رہی تھی۔ یہ وہی بُو تھی جو مُجھے تکشک کے مندر سے سارنگ بابا کے غار تک لے گئی تھی۔ یہ وہی بُو تھی جس کی رہنمائی میں ایک خوف ناک جنگل کا سفر کر کے میں اِس غار تک پہنچا تھا، جس میں اُوشا راجا پورس کے دربار سے غائب ہو کر قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں کی بدولت جا پہنچی تھی۔ یہی وہ بُو تھی جو ہم نے جگ موہن رِشی کی کُٹیا میں محسوس کی تھی اور جس کی کشش پر سینکڑوں نہیں، ہزاروں سانپ جگ موہن رِشی کی کُٹیا کی طرف اِس لیے کھنچے چلے آتے تھے کہ اُس کے جسم پر کہیں نہ کہیں ڈسیں اور پھر واپس چلے جائیں۔

اور اب ہمارے اِرد گرد کی فضا میں پھر وہی پُراسرار بُو رچی ہوئی تھی۔ اسے محسوس کر کے سارنگ بابا اور کانتا کے چہرے خوشی سے کِھل اُٹھے۔ کھلتے بھی کیوں نہ۔ یہ بُو شیل شرنگن کی پہاڑی سے جو آ رہی تھی۔ اور پھر اِس تیز

اور پُر اسرار بُو نے جیسے ہمیں اپنے آپ میں نہ رہنے دیا۔ ہم اِس بُو کی طرف یوں کِھنچتے چلے گئے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔

پھر اُوپر تلے کئی زور دار پھنکاریں سُنائی دیں۔ ہمارے قدم خود بخود رُک گئے اور ہم نے چونک کر سامنے دیکھا۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک کُٹیا دِکھائی دے رہی تھی اور اُس کُٹیا کے دروازے پر ایک نہ دو، پورے پانچ بھاری بھر کم ناگ کُنڈلی مارے، پھن اُٹھائے پہرا دے رہے تھے۔ ہم ناگیش مہاراج کی کُٹیا کے دروازے پر آپہنچے تھے۔

میں نے سارنگ بابا اور کانتا کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہرے بھی خوشی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ میں نے اُوشا کی طرف دیکھا۔ وہ کُچھ حیران سی تھی۔ میں نے اپنے اِرد گِرد نِگاہ کی۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، رنگ برنگ پھُول کھلے نظر آتے تھے۔ شیل شرنگن کی اِس پہاڑی کی ڈھلان

یوں نظر آتی تھی جیسے اِس پر پھولوں کی چادر بچھی ہو۔ قریب ہی ایک چشمہ تھا جس کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔

میں اِرد گرد کے خُوبصورت نظّارے میں کھویا ہوا تھا کہ سارنگ بابا کی آواز کان میں پڑی۔ وہ اپنے گُرو ناگیش مہاراج سے کہہ رہے تھے :

"مہاراج! ہم آپ کے پیر چھُونے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اجازت ہو تو اندر آ جائیں۔"

اس کے جواب میں اندر سے ایک گرج دار آواز آئی۔ "یہاں کیوں آئے ہو؟ ہم جو کُچھ تمہیں دے سکتے تھے، بہت پہلے دے چکے ہیں۔ کانا! تمہاری جگہ یہاں نہیں مان سُروور ہے۔ جاؤ، وہاں تمہارا باپ تمہارے انتظار میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گِن رہا ہے۔ اور سارنگ! اُوشا!

انوشا! تمہیں یہاں نہیں، جہلم کے کنارے ہونا چاہیے تھا۔ جاؤ! وہاں شیش ناگ کا بیٹا تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔ جاؤ، اور کیسر ناگ کے ہیرے شیش ناگ کے بیٹے کے دامن میں ڈال دو۔ جاؤ!"

اس آواز کے ساتھ ہی کُٹیا کے دروازے پر بیٹھے ہوئے پانچوں ناگوں کی پھنکاریں ایک ساتھ گونجیں اور ہمارے اِرد گِرد اندھیرا سا چھا گیا۔ اندھیرے کی یہ چادر ہٹی تو کانتا اپنے باپ کے پاس مان سُروور پہنچ چکی تھی اور ہم شیل شرنگن کی پہاڑی کے بجائے دریائے جہلم کے کنارے کھڑے تھے۔

دریا کے کنارے دور دور تک سپاہیوں کے خیمے لگے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ یہ وہ فوج تھی جو شیش ناک کا بیٹا پاٹلی پُتر سے لے کر آیا تھا۔

مگر شیش ناگ کے بیٹے کو یہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ وہ فوج لے کر پاٹلی پُتر سے دریائے جہلم تک آئے؟ کیا مغرب میں دریائے سندھ سے لے کر مشرق میں سمندر کے پانیوں تک اُس کی حکومت قائم نہیں ہو گئی تھی؟ اس سوال کا جو جواب ہمارے سامنے آیا، وہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ سکندر کے مرجانے کے بعد اِس دھرتی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امن اور چین کی زندگی نصیب ہو جائے گی۔ مگر ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ سکندر کی رُوح ایک بار پھر پھر کسی دوسرے رُوپ میں اس طرف کا رُخ کرے گی۔

سکندر نے واپس جانے سے پہلے اپنے فتح کیے ہوئے علاقوں کو چار حصّوں میں بانٹ دیا تھا۔ دریائے سندھ کے پار کے علاقے اُس نے اپنی بیوی رُخسانہ کے باپ کے سُپرد کر دیے تھے، سندھ اور جہلم کا درمیانی علاقہ

پہلے کی طرح راجا امبھی کے پاس ہی رہنے دیا تھا، دریائے جہلم سے لے کہ دریائے بیاس تک کا علاقہ راجا پورس کے حوالے کر دیا تھا، اور چناب اور جہلم کے سنگم سے نیچے ملّہی، سیوی، یادیو، کشودرک، سمبھا، اگالاس اور دوسرے قبیلوں کا علاقہ اُس نے اپنے ایک ہم وطن افسر اور اپنے باپ کے ہم نام فیلقوس کی نگرانی میں دے دیا تھا جو اُس کے ایک اور سالار ہارپالوس کا بھائی تھا۔

مگر سکندر کے واپس جانے کے بعد جو کُچھ ہوا تھا، اِس کے نتیجے میں دریائے سندھ سے اِس طرف کے تمام علاقوں پر شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت موریہ کا راج قائم ہو گیا تھا۔ صرف سندھ کے پار کے علاقے رُخسانہ کے باپ کے پاس ہی رہے تھے۔

مگر جب سکندر نے بابل میں، بخت نصر کے محل میں چند روز بُخار میں مُبتلا رہ

کہ اِس دُنیا سے کوچ کیا تو اُس کے جرنیلوں میں آپس میں بھی ٹھن گئی۔ سکندر کی موت کے وقت بطلیموس، سلیوکس، پردیکاس، پیوسس ٹاس اور نیارکس اُس کے پاس موجود تھے، مگر اُس نے اُن کے سامنے حکومت کا کوئی نقشہ نہ رکھا تھا۔ چنانچہ حکومت کی چھینا جھپٹی کے لیے جرنیلوں کا آپس میں لڑنا ایک قدرتی بات تھی۔

اقتدار کی اِس جنگ میں سکندر کی ماں اولمپیاس اور اس کی بیوی رُخسانہ بھی دوسروں سے پیچھے نہیں تھیں۔ اولمپیاس نے سکندر کے سوتیلے بھائی ارہی ڈائیوس کو زہر دے کہ مروادیا۔ سکندر نے جب فارس (ایران) کے شہر شوش میں اپنے اسّی افسروں اور دس ہزار سپاہیوں کی شادیاں کی تھیں تو اپنے لیے اُس نے شاہ دارا کی بڑی لڑکی کو مُنتخب کیا تھا اور دارا کی چھوٹی لڑکی کو اپنے ایک سالار کی بیوی بنا دیا تھا۔ رُخسانہ نے بہانے سے اُن

دونوں بہنوں کو قتل کروا دیا اور اُن کی لاشیں ایک کنوئیں میں چھُپا دیں۔ دارا کی بیوی نے خودکشی کرلی تھی۔

پھر انیٹی پیٹر کے بیٹے کیسانڈر نے جو سکندر کا دُشمن تھا، اولمپیاس، رُخسانہ اور رُخسانہ کے بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ اُس نے بہت کوشش کی لیکن سپاہیوں میں سے کوئی بھی اولمپیاس، رُخسانہ یا اُس کے بیٹے پر تلوار اُٹھانے کے لیے تیّار نہ ہوا۔ سپاہیوں کا کہنا تھا کہ ہم اُس شخص کی ماں، بیوی اور بیٹے کو قتل نہیں کر سکتے، جسے ہم دیوتا سمجھتے رہے ہیں۔ اس پر کیسانڈر نے خود اولمپیاس، رُخسانہ اور اس کے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اُنہیں ڈبو کر مار ڈالا۔ اور یوں مقدونیہ کے شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

اِس کے بعد سکندر کے فتح کیے ہوئے علاقوں کے حصّے بخرے ہو جانا قدرتی بات تھی۔ بطلیموس نے مصر کا علاقہ سنبھالا اور وہاں بطلیموسی

خاندان کی بُنیاد رکھی۔ مقدونیہ اور ایشیائے کوچک کے علاقے اینٹی گونس نے سنبھال لیے اور بابُل سے مشرق کی طرف دریائے سندھ تک کے علاقے پر سلیوکس نے اپنی حکومت قائم کرلی۔

جرنیلوں کی اِس چھینا جھپٹی میں سلیوکس کا پلّہ باقی سب پہ بھاری رہا تھا۔ اُس نے جِن علاقوں پر اپنی حکومت قائم کی تھی، وہ دوسرے جرنیلوں کے مُقابلے میں کہیں زیادہ وسیع تھے۔ وہ اپنے آقا سکندر کی طرح ہی جوشیلا اور حوصلہ مند تھا۔ جب اُس کے قدم اچھّی طرح جم گئے تو اُس نے اپنے آقا سکندر کے نقشِ قدم پر چلنے کی سوچی۔ وہ چاہتا تھا کہ جِس طرح سکندر میدان پر میدان مارتا اور قلعوں پر قلعے فتح کرتا دریائے بیاس تک پہنچ گیا تھا، اِسی طرح وہ بھی اپنی فتح کے جھنڈے گاڑتا بیاس تک پہنچے، بلکہ اُس سے بھی آگے نکل جائے۔

مگر اُسے یہ خیال نہ تھا کہ دریائے سندھ اور بیاس کا درمیانی علاقہ سکندر کے وقت کی طرح پورس، امبھی، سوبھوتی، کاتھی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی دھرتی نہیں ہے، جو آپس میں لڑتے رہتے تھے اور سکندر ایک ایک کر کے اُنہیں فتح کرتا گیا تھا۔ اب اُس علاقے کی حالت ہی اور تھی۔ اب وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسی سلطنت کا حصّہ تھا جو دریائے سندھ سے مشرقی سمندر کے پانیوں تک پھیلی ہوئی تھی اور اِس سلطنت کی باگ دوڑ شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت موریہ کے ہاتھ میں تھی۔

چنانچہ سلیوکس نے جب اپنی فوج کے ساتھ دریائے سندھ پار کر کے مشرق کی طرف پیش قدمی کی تو اُسے ٹیکسلا ہی میں معلوم ہو گیا کہ اب وہاں کوئی امبھی نہیں ہے، جو کسی پورس سے بدلہ لینے کی خاطر سکندر کی طرح اُس کا

استقبال کر سکے۔ اب وہاں امبھی نہیں، چندر گُپت کی حکومت تھی اور اُس کی طرف سے راجا پردا تک کا بیٹا ٹیکسلا کا حاکم تھا۔ اُس نے نہ تو سات سو سواروں کا دستہ سلیوکس کے اِستقبال کے لیے بھیجا اور نہ ریشمی جھولوں والے تیس ہاتھی، اور نہ چاندی کے توڑوں سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں اور دوسرے بے شمار قیمتی تحفے۔ اِس کے بجائے وہ اپنی فوج کے ساتھ سلیوکس کے مُقابلے پر آیا۔

مگر ٹیکسلا کی فوج سلیوکس کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھی۔ راجا پردا تک کے بیٹے نے شکست کھائی اور سلیوکس ٹیکسلا کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد آگے بڑھتا گیا۔ جاسوسوں نے سلیوکس کے حملے کی خبر پاٹلی پُتر پہنچائی تو شیش ناگ کا بیٹا چندر گُپت موریہ ایک بھاری فوج لے کر، بجلی کی سی تیزی کے ساتھ، پاٹلی پُتر سے چلا اور سلیوکس کو جہلم کے کنارے پر

روک دیا۔ عین اُس جگہ جہاں راجا پورس سلیوکس کے آقا سکندر کے مُقابلے میں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دُہرا رہی تھی۔ دریائے جہلم کے اُس پار جہاں کبھی سکندر کی فوج تھی۔ اب وہاں سلیوکس کی فوج ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔ اور دریا کے اِس پار جہاں کبھی راجا پورس کی فوج کا پڑاؤ تھا، اب چندر گُپت موریہ کی فوج کے خیمے لگے ہوئے تھے۔

اس وقت مُقابلہ سکندر اور پورس کے درمیان تھا، اور اب سلیوکس اور چندر گُپت کے درمیان۔ مگر جیسے سلیوکس سکندر نہیں تھا، اُسی طرح چندر گُپت بھی پورس نہیں تھا۔ اُس وقت سکندر کے مُقابلے میں وہ پورس تھا جس کے نزدیک گِرے ہوئے دُشمن پر وار کرنا بہادری کے خلاف تھا، اور جسے یونانیوں کی لڑائی کے طریقوں سے کوئی واقفیت نہ تھی مگر اب

سلیوکس کے مقابلے پر وہ چندر گُپت تھا جس نے سکندر کی آنکھیں دیکھی تھیں اور جس نے یونانیوں کے داؤ پیچ یونانیوں کے خلاف ہی آزما کر اُنہیں سندھ اور بیاس تک کے درمیانی علاقے سے نکال باہر کیا تھا۔ یہی داؤ پیچ اُس نے نند خاندان کے سُدھانند اور اُس کے بیٹوں کے خلاف آزما کر مگدھ کی گدّی اپنے قبضے میں کی تھی۔

مَست ہاتھی

سکندر کے سالاروں اور جرنیلوں میں سلیوکس واحد شخص تھا جس نے ہاتھیوں میں سب سے زیادہ دل چسپی ظاہر کی اور ٹیکسلا میں راجا امبھی کے ہاتھیوں کے کرتب دیکھنے کے بعد سکندر کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ہاتھیوں کا ایک ریوڑ پال لینا چاہیے۔ سلیوکس بہت لمبا تڑنگا تھا۔ اُس کی جسمانی طاقت ایسی تھی کہ بیل کو سینگوں سے پکڑ کر اُس کی گردن مروڑ دیتا تھا۔ چنانچہ سکندر نے جب ہاتھیوں کے ایک گلّے کا شکار کیا تو وہ تمام ہاتھی سلیوکس کی نگرانی

میں دے دیے تاکہ وہ اُنہیں سدھانے کا بندوبست کرے۔

سلیوکس نے سکندر کا حُکم ملتے ہی قابل سے قابل مہاوتوں کا بندوبست کیا اور اُنہیں ہاتھیوں کے سدھانے کے کام پر لگا دیا۔ اُن مہاوتوں نے دِنوں میں ہی اُن جنگلی ہاتھیوں کو اِس حد تک سدھا لیا کہ اُنہیں ایک لڑکا بھی جہاں چاہے لے جا سکتا تھا۔ جب سکندر اِن ہاتھیوں کا معائنہ کر رہا تھا تو مشرق کا ایک شہزادہ جو اپنا نام چندر گُپت بتلاتا تھا اُس سے ملنے آیا تھا۔ اُس کی گستاخی اور دیدہ دلیری کی وجہ سے سکندر نے اُس کے قتل کا حُکم دے دیا تھا، مگر وہ اپنی جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اور اب کہ سلیوکس اپنے آقا سکندر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دریائے سندھ پار کر کے مشرق کی طرف بڑھا تو اُسی چندر گُپت نے جہلم کے کنارے اُس کا راستہ روک لیا تھا۔ اِس لیے کہ اب وہ گُم نام اور بے وطن

چندر گُپت نہ تھا، وہ چندر گُپت تھا جس نے اپنی ہوشیاری، دانائی اور بہادری سے نند خاندان کی طاقت ور سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔

حالات کی اِن تبدیلیوں کے باوجود سلیوکس کی ہاتھیوں سے دِل چسپی ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اور بڑھ گئی تھی۔ سکندر کے وقت جو ہاتھی سدھائے گئے تھے، وہ سارے کے سارے اب اُس کی اپنی فوج میں شامل تھے اور وہ ان کی تعداد کو بڑھانے کی برابر کوشش کرتا رہتا تھا۔

سکندر نے جب فارس میں شوش کے مقام پر پہنچ کر ایک بہت بڑا جشن منایا تھا اور اپنی اور اپنے اسّی افسروں کے علاوہ دس ہزار سپاہیوں کی شادیاں کی تھیں تو سلیوکس کی شادی اپامی سے کی تھی جو سعذیانہ کے سردار اور سکندر کے ایک دلیر دُشمن سپیٹاما کی بیٹی تھی۔ سکندر کی موت کے بعد اُس کے اکثر افسروں نے اپنی ایرانی بیویوں کو کسی نہ کسی طرح ٹھکانے لگا دیا

تھا مگر سلیوکس نے ایسا نہیں گیا۔ اُس نے نہ صرف اپامی کو اپنے ساتھ رکھا بلکہ اُس کے نام پر کئی شہر آباد کر کے ان کا نام اپامیا رکھا، اور اب کہ وہ مشرق کی طرف اپنے آقا سکندر کی طرح بڑھا تھا تو اپامیا بھی اُس کے ساتھ تھی۔ اپامیا ہی نہیں اُس کی بیٹی ہیلن بھی تھی اور اُن دونوں کو ہاتھیوں کے ساتھ ایسی ہی دِل چسپی تھی جیسی خود سلیوکس کو۔ اپامیا سے زیادہ ہیلن کو ہاتھی کی سواری کا شوق تھا۔ وہ اپنے خاص ہاتھی پر اِس شان سے سوار ہوئی تھی کپ سکندر کی بیوی رُخسانہ بھی کبھی اِس شان سے سوار نہ ہوئی ہو گی۔

سلیوکس اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے ڈیرے ڈالے پڑا تھا، اور ابھی اُس نے دریا پار کرنے کے لیے جگہ اور وقت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ شاید اُسے یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ چندر گُپت

یوں آگے بڑھ کر اُس کا راستہ روک لے گا۔ دریائے سندھ سے دریائے بیاس تک سکندر کو راجا پورس کے علاوہ اور کسی بڑے دُشمن سے لڑائی نہیں لڑنی پڑی تھی، اور سلیوکس کا خیال تھا کہ اب تو اس کے لیے میدان صاف ہی بات ہے، مگر چندر گُپت کے سامنے آجانے پر وہ کُچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ اگرچہ سکندر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مشرق کی طرف بڑھ آیا تھا مگر اُسے اپنے پیچھے اپنی سلطنت کی مغربی سرحدوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ انیٹی گونس، جس نے مقدونیہ اور ایشیائے کوچک کے علاقے سنبھال لیے تھے، ایسا شخص نہ تھا کہ اِن تھوڑے سے علاقوں پر صبر کر لیتا۔ وہ تو اپنے آپ کو سکندر کی پوری سلطنت کا حق دار سمجھتا تھا۔ سرحدی علاقوں کے متعلّق اینٹی گرنس، بطلیموس اور سلیوکس کی فوجوں

کے درمیان چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔

مگر یہ کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی جس سے سلیوکس پریشان ہوتا۔ اُسے اپنے آپ پر اور اپنی فوجی طاقت پر بھروسا تھا، تب ہی تو جرنیلوں کی آپس کی چھینا جھپٹی میں اُس کا پلّہ سب سے بھاری رہا تھا۔ جبھی تو وہ اپنے آقا سکندر کی پیروی کرنے مشرق کی طرف نکل کھڑا ہوا تھا۔ مگر اُسے یہ اندازہ نہ تھا کہ جس چندر گُپت نے آگے بڑھ کر اُس کا راستہ روک لیا ہے، وہ شیر کی طرح دلیر، چیتے کی طرح پھرُتیلا اور لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ اُس کی یہ صفات تو سکندر نے اُس وقت بھی اُس کے چہرے سے پڑھ لی تھیں جب وہ سکندر سے مدد مانگنے آیا تھا۔ اور اُس نے سکندر سے یوں بات کی تھی جیسے اُس سے مدد نہیں مانگ رہا، اُس پر احسان دھر رہا ہے۔ اُس کی اِسی بے باکی پر سکندر نے اُس کے قتل کا حُکم دے دیا تھا مگر وہ جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔

اور پھر وہ چندر گُپت جوجوگی بن کر جمنا کے کنارے ویرانند کے لشکر میں پہنچ گیا تھا اور ویرانند اور اُس کے سپاہیوں کو بے ہوش کر آیا تھا، وہ چندر گُپت جو بُوڑھا سپیرا بن کر یوگانند کے دربار میں پہنچ گیا تھا، وہی چندر گُپت اب ایک قاصد بن کر سلیوکس کے سامنے جا پہنچا۔

سلیوکس اپنے خیمے میں بیٹھا دریا پار کرنے کے لیے مناسب جگہ اور وقت کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ اُس کے سپاہی ایک آدمی کو اُس کے پاس لائے۔ یہ آدمی اپنے آپ کو چندر گُپت موریہ کا بھیجا ہوا قاصد بتلاتا تھا اور سلیوکس کے لیے چندر گُپت موریہ کی طرف سے ایک پیغام لایا تھا۔ اُس نے یونانی طریقے سے سلیوکس کو سلام کیا اور پھر چندر گُپت موریہ کا خط اُسے پیش کر دیا۔ سلیوکس نے وہ خط اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک افسر کو تھما دیا اور اشارہ کیا کہ پڑھ کر سُنائے۔ افسر نے مُہر توڑ کر خط کھولا اور

پڑھنے لگا :

"پچھّم کے بادشاہ سلیوکس کو پُورب کے بادشاہ چندر گُپت موریہ کا سلام پہنچے۔ واضح ہو کہ دریائے سندھ سے اِس طرف کا علاقہ ہماری سلطنت میں شامل ہے، جس پر تُم نے زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ تمہاری اِس کارروائی سے ہماری رعایا کے جان و مال کو زبردست نقصان پہنچا ہے اور اِس نقصان کو پورا کرنے کے لیے تاوان ادا کرنا تمہارا فرض ہے۔ اگر تُم یہ تاوان ادا کر دو تو ہم تمہیں سلامتی کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دے سکتے ہیں اور تمہارے دُشمنوں کے خلاف تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر تُم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تلوار ہی سے ہو تو تُم ہمیں اِس کے لیے بھی تیّار پاؤ گے۔ تُم جب چاہو، اطمینان سے دریا پار کر کے ہماری طرف آ سکتے ہو اور ایسا کرنے کے لیے تمہیں سکندر کی طرح

کسی طوفانی رات کے اندھیرے کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے ایک بار پھر سوچ لینا کہ نہ تُم سکندر رہو اور نہ ہم پورس۔"

خط کا مضمون سُن کر سلیوکس کا چہرہ غصّے سے تمتما اُٹھا وہ جوش میں آ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے قاصد سے مخاطب ہُوا :

"جاؤ! واپس جا کر اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ ہمیں دریا پار کرنے یا واپس جانے کے لیے تیری اجازت کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ہمارے دُشمنوں کے خلاف مدد دینے کی بات کرنے والے! کیا تُجھے وہ دِن بھول گیا جب تُو نے ٹیکسلا میں سکندر سے امداد کی بھیک مانگی تھی؟ بہت جلد تُو ہمیں اپنے سامنے دیکھے گا اور پھر ہماری تلوار تُجھے بتا دے گی کہ تُو کون ہے اور ہم کون ہیں۔"

سلیوکس کی اِس بات کے جواب میں قاصد نے جو اصل میں خود چندر گُپت ہی تھا، جھُک کر سلام کیا اور کہا :

"آپ کا جواب چندر گُپت تک پہنچ جائے گا۔ بلکہ یہ سمجھ لیجیے کہ پہنچ ہی۔۔۔۔۔"

قاصد کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ باہر ایک چیخ سُنائی دی۔ یہ کسی نوجوان لڑکی کی چیخ تھی۔ سلیوکس نے اُسے پہچان لیا۔

"ہیلن!"

پھر وہ ایک دم باہر کی طرف لپکا۔ اُس کے ساتھ افسر اور سپاہی بھی باہر کی طرف بڑھے اور اُن کے ساتھ ہی چندر گُپت بھی خیمے سے باہر آ گیا۔

مگر باہر اُنھوں نے جو کُچھ دیکھا، اُس سے اُن کے قدم جیسے اپنے آپ رُک

گئے۔ خیموں کے درمیان ایک مَست ہاتھی اندھا دُھند بھاگا پھر رہا تھا اور اُس نے ہیلن کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اُٹھا رکھا تھا جو اُس کو دیکھ کر چیخ مارنے کے بعد بے ہوش ہو گئی تھی۔

افسر اور سپاہی گھبرائے گھبرائے بھاگے پھر رہے تھے۔ اور کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ہیلن کو بچانے کے لیے کیا کریں؟ کسی کو بھی مَست ہاتھی کے قریب جانے کا حوصلہ نہ تھا۔

سلیوکس اپنی بیٹی کو اِس حالت میں دیکھ کر کُچھ ایسا گڑبڑا گیا تھا کہ اُس کے مُنہ سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔

چندر گُپت نے یہ منظر دیکھا تو اُس نے جھپٹ کر اُس سپاہی سے نیزہ لے لیا جو سلیوکس کے خیمے کے باہر پہرے پر کھڑا تھا اور سیدھا مَست ہاتھی کی

طرف لپکا۔ لیکن پھر کُچھ سوچ کر ایک خیمے کی اَوٹ میں کھڑا ہو گیا اور جب ہاتھی اُس طرف سے گُزرا تو اُس نے نیزہ اُس کے سر کی طرف پھینکا۔ نیزہ ہاتھی کی دائیں آنکھ میں لگا۔ اِس کے ساتھ ہی اُس کی چنگھاڑ فضا میں گونجی اور اُس نے اپنی سونڈ کو ڈھیلا کر دیا۔ چندر گُپت تیزی سے آگے بڑھا اور اِس سے پہلے کہ بے ہوش ہیلن زمین پر گِرتی، اُس نے اُسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔

زخمی ہاتھی کو سپاہیوں نے قابو میں کر لیا اور چندر گُپت بے ہوش ہیلن کو اُٹھائے سلیوکس کی طرف آیا۔ سلیوکس نے ہیلن کو اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔

"اے نوجوان! تُو نے ہماری بیٹی کی جان بچا کر ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم تُجھے مُنہ مانگا انعام دیں گے۔"

چندر گُپت نے جھُک کر سلام کیا اور کہا۔ "میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔ عورت اپنی ہو یا پرائی، اُس کی جان بچانا ہمارا ایمان ہے۔"

اتنے میں ہیلن کو ہوش آ چکا تھا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر اپنے اِرد گرد دیکھا تو سلیوکس نے اُس سے کہا۔ "ہیلن، اِدھر دیکھو۔ یہ ہے وہ نوجوان جس نے تمہاری جان بچائی ہے۔"

چندر گُپت نے ایک بار پھر یونانی طریقے سے، سلیوکس اور ہیلن کو سلام کیا اور پھر وہاں سے چل دیا۔

سلیوکس اور چندر گُپت کی جنگ

چندر گُپت اکیلا ہی سلیوکس کے پاس نہیں گیا تھا۔ اُس کے ساتھ کُچھ جاسُوس بھی تھے جنھوں نے سلیوکس کی فوج کے بارے میں ساری معلومات حاصل کرلی تھیں۔

خط کے ذریعے چندر گُپت نے سلیوکس کے ساتھ وہی چال چلی تھی جو اِس سے پہلے سلیوکس کا آقا راجا پورس کے ساتھ چل چُکا تھا۔ سکندر نے پورس کو بتایا تھا کہ وہ فوری طور پر دریا عُبور کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے

سردیوں کے شروع ہونے کا انتظار کرے گا تاکہ دریا میں پانی کم ہو جائے تو اُس وقت اُسے پار کر کے مُقابلے پر آئے اور چندر گُپت نے سلیوکس کو دریا پار کرنے کی دعوت دے کر اُس کو یہ جتایا تھا کہ دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی جب اور جس وقت ہوئی، دریا کے اِس کنارے پر ہوگی، جہاں چندر گُپت اپنی فوج کے ساتھ ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ چنانچہ سلیوکس نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر اُس پر کشتیوں کا پُل بنوانا شروع کر دیا۔ تاکہ فوج کے ساتھ دریا پار کر سکے۔

دوسری طرف چندر گُپت کُچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اُس نے سلیوکس کی فوج کی طرف سے کشتیوں کا پُل بنانے کی کوششوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی بلکہ یہ تاثر دیا جیسے وہ چاہتا ہے کہ سلیوکس کی فوج جلد سے جلد دریا پار کر آئے تاکہ وہ اُس کے ساتھ دو دو ہاتھ کر سکے۔ مگر اِس کا اصل مقصد کُچھ اور

ہی تھا۔ اور یہ مقصد سلیوکس اور اُس کی فوج کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا۔

جب دریا پر کشتیوں کا پُل بن گیا اور سلیوکس کی فوج نے یہ طے کر لیا کہ رات کو آرام کرنے کے بعد دِن کے اُجالے میں دریا پار کیا جائے گا تو چندر گُپت نے اپنے منصوبے پر عمل کرنا شروع کیا۔ اُس نے جنگی ہاتھیوں، رتھوں اور پیادوں کو دریا کے کنارے ہی چھوڑا اور خود بیس ہزار گھڑ سواروں کو لے کر دریا کے کنارے کی طرف ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جو اُس نے پہلے سے مقرّر کر رکھا تھا۔ یہاں سے اُس نے بغیر کسی رکاوٹ کے، رات کے اندھیرے میں، دریا پار کیا اور اُس کے سوار، دریا کے کنارے، گھنے جنگل میں چھُپ کر صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

چندر گُپت نے چند جاسُوس سلیوکس کی فوج کی طرف بھیج دیے، اور جب اُن

کی زبانی معلوم ہوا کہ سلیوکس کی فوج نے کشتیوں کے پُل کے ذریعے دریا عُبور کرنا شروع کر دیا ہے تو چندر گُپت کے بیس ہزار سوار آندھی کی طرح دریا کے کنارے جنگل سے نکلے اور سلیوکس کی فوج پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔

اِس کے ساتھ ہی چندر گُپت کے ہاتھی اور جنگی رَتھ حرکت میں آ گئے اور اُنھوں نے سلیوکس کی اُس فوج کو اپنے تیروں اور نیزوں کی باڑھ پر رکھ لیا جو دریا پار کر چُکی تھی، یا پار کر رہی تھی۔ سلیوکس اُس وقت خود ایک گھوڑے پر سوار کشتیوں کا پُل عُبور کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی ایک ہاتھی پر اُس کی بیوی اپامی اور بیٹی ہیلن سوار تھیں۔

یہ وہ صورتِ حال تھی جس کے متعلّق سلیوکس اور اُس کے سپاہیوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اُن کے آگے چندر گُپت کے ہاتھی تھے، جنگی رَتھ تھے

اور پیادہ فوج تھی اور اُن کے پیچھے بیس ہزار گھڑ سوار تھے۔ اُن کے دائیں طرف دریا تھا۔ اُن کے بائیں طرف دریا تھا۔ اُن کے نیچے دریا تھا۔ غرض آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف موت ہی موت تھی۔

سلیوکس کی فوج نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی، مگر چندر گُپت اُن کے ساتھ جو چال چل گیا تھا، اُس نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی لڑائی کا فیصلہ کر دیا تھا۔ سلیوکس نے عقل مندی سے کام لیا اور اپنی فوج کو لڑائی بند کرنے کا حُکم دے کر اپنے آپ کو چندر گُپت کی فوج کے حوالے کر دیا۔

لڑائی بند ہو گئی تو چندر گُپت اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ کشتیوں کے اُس پُل پر سے گزرا جو سلیوکس کی فوج نے دریا پار کرنے کے لیے بنایا تھا۔ یہ لڑائی مُشکل سے ایک ڈیڑھ پہر جاری رہی تھی اور چندر گُپت نے اپنی

عقل، ہمّت اور حوصلے سے کام لے کر بغیر کسی بھاری جانی نقصان کے دُشمن پر قابو پا لیا تھا۔

سلیوکس کو اُس کی بیوی اور بیٹی سمیت چندر گُپت کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے دیکھا کہ چندر گُپت وہی جوان تھا جو ایک قاصد کے روپ میں اُس کے پاس آیا تھا اور جس نے ہیلن کی جان بچائی تھی۔

پھر چندر گُپت نے سلیوکس سے پوچھا۔ "بتاؤ! تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

سلیوکس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی، یہ وہ سوال تھا جو اِس دریا کے کنارے اِسی جگہ سکندر نے پورس سے کیا تھا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ وہی دریائے جہلم تھا، وہی جگہ تھی اور وہی سوال تھا جو ایک فاتح

اپنے ہارے ہوئے دُشمن سے پُوچھ رہا تھا۔ "بتاؤ! تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

فرق صرف یہ تھا کہ اب سکندر کی جگہ چندر گُپت نے لے لی تھی اور پورس کے مقام پر سلیوکس کا سر جھُکا ہوا تھا۔ وہ پورس کی طرح سر اُٹھا کر یہ جواب نہیں دے سکتا تھا:

"جیسا سلوک بادشاہ، بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔" اِس کی بجائے اُس نے جواب میں کہا۔ "چندر گُپت! تُم نے مُجھ سے وہ سوال پوچھا ہے جو سکندر نے پورس سے پوچھا تھا۔ اِس لیے کہ تُم سکندر ہو یا نہ ہو، میں پورس نہیں ہوں۔"

سلیوکس کے اِس جواب کا چندر گُپت پر وہی اثر ہوا جو پورس کے جواب کا

سکندر پر ہوا تھا۔ ہار اور جیت اپنے اپنے نصیب کی بات تھی مگر سلیوکس بہر حال ایک دلیر دُشمن تھا۔ چندر گُپت نے اُس سے کہا :

"سلیوکس! ہم اِس پیش کش پر اب بھی قائم ہیں جو ہم نے جنگ سے پہلے اپنے پیغام میں کی تھی۔ ہم تمہیں سلامتی کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دیتے ہیں اور ایک دوست کی طرح تمہارے دُشمنوں کے خلاف تمہاری مدد بھی کرنے کو تیّار ہیں۔ تُم جنگی رَتھ چاہو تو جنگی رَتھ ملیں گے۔ گھوڑے درکار ہوں تو گھوڑے ملیں گے، اور ہاتھیوں کی ضرورت ہو تو ہاتھی مل جائیں گے۔ اپنی واپسی تک تُم یہاں رہ سکتے ہو، مگر قیدی بن کر نہیں، ہمارے مہمان بن کر۔"

چندر گُپت نے سلیوکس کو شکست دے کر جیسے سکندر کے ہاتھوں پورس کی شکست کا بدلہ لے لیا تھا۔ سکندر جس یونانی شجاعت کا ڈنکا بجاتے ہوئے

مقدونیہ سے نکلا تھا اور اُس نے یونان کی جس بہادری کے جھنڈے یونان سے بیاس تک گاڑے تھے، اُس نے دریائے جہلم کے کنارے چندر گُپت کی دلیری، حوصلہ مندی اور دانائی کے سامنے دم توڑ دیا تھا۔ جہلم کا وہی کنارہ جس نے سکندر کی فتح مندی اور پورس کی بے بسی کا تماشا دیکھا تھا، اب شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت کی فتح اور سکندر کے جانشین سلیوکس کی شکست کا نظّارہ کر رہا تھا۔

چندر گُپت نے سلیوکس، اُس کی بیوی اپامی اور بیٹی ہیلن کو اُسی محل میں ٹھہرایا جو کبھی راجا پورس کا محل ہوا کرتا تھا۔ اِسی محل میں سکندر نے قیام کیا تھا اور چند دِن قیام کرنے کے بعد اپنی فوج کے ساتھ چناب، راوی اور بیاس کی طرف بڑھ گیا تھا۔ قدرت کا یہ نہایت ہی عجیب اتّفاق تھا کہ جس محل میں سلیوکس کا آقا سکندر ایک فاتح کی حیثیت سے ٹھہرا تھا، اُس میں

سلیوکس کو ایک ہارے ہوئے دُشمن کی حیثیت سے رہنا نصیب ہوا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ جس طرح سکندر نے ہارے ہوئے پورس کو اپنا دوست بنایا تھا، اِسی طرح چندر گُپت نے ہارے ہوئے سلیوکس کی شکست کے زخموں پر اپنی دوستی کا مرہم رکھ دیا تھا۔ چندر گُپت کے لیے ایسی دوستی کے نام پر جشن منانے کا اِس سے اچھّا موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا، جس کی بنیاد اُس کی اپنی فتح اور سلیوکس کی شکست پر تھی اور اِس کے لیے راجا پورس کے اِس محل سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی جہاں کبھی سلیوکس کا آقا سکندر پورس کے دوست کی حیثیت سے ٹھہرا تھا۔

چند دِن بعد پورس کے محل کے اِسی دربار میں یہ جشن ہوا جہاں راجا پورس نے اپنے بیٹے امر کی بیوی چمپا کے آنے کی خوشی میں جشن منایا تھا۔

دربار میں چندر گُپت ایک اُونچے سے تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس کا وزیر چانکیہ اُس

کے دائیں ہاتھ بیٹھا تھا۔ چانکیہ کے ساتھ ہی سارنگ بابا، میں اور اُوشا بیٹھے تھے۔ چندر گُپت 44 کے بائیں ہاتھ سلیوکس، اُس کی بیوی اپامی اور بیٹی ہیلن کی نشستیں تھیں۔ چندر گُپت کے سامنے ایک خاصی بڑی جگہ دائرے کی صورت میں خالی رکھی گئی تھی اُس کے ایک طرف چندر گُپت کے درباری افسر اور سالار بیٹھے تھے اور دوسری طرف سلیوکس کی فوج کے افسر اور سالار۔

جشن کا آغاز چند مذہبی رسموں سے ہوا۔ رسمیں ادا ہو چکیں تو دو شاعر آگے بڑھے، اُنھوں نے جھک کر چندر گُپت کو سلام کیا اور پھر اُس کی شان میں چند شعر پڑھے۔ میں سُنتے ہی چونک گیا۔ یہ شاعر وہی تھے جنھوں نے چمپا کے آنے کی خوشی میں ہونے والے جشن میں راجا پورس کی شجاعت، ہمّت، حوصلے، شان، آن بان اور غیرت کے ساتھ ساتھ اُس کی سخاوت اور دریا

دِلی کی بڑے خُوب صُورت انداز میں تعریف کی تھی اور اب وہ راجا پورس ہی کے حوالے سے چندر گُپت کی تعریف کر رہے تھے۔ چندر گُپت اُن کے نزدیک پورس کا ایک ایسا رُوپ تھا جس میں پورس کی تمام خوبیاں اور تمام صفّات کئی گُنا بڑھ کر تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس نے اِس دھرتی کے ماتھے سے شرمندگی کا وہ داغ دھو دیا تھا جو سکندر کے ہاتھوں پورس کی شکست کی وجہ سے لگا تھا۔ یہ بڑے پیارے شعر تھے۔ اِن میں اُس فتح کا ذکر موجود تھا جو چندر گُپت نے سلیوکس پر حاصل کر کے سکندر اور پورس والا حساب برابر کیا تھا مگر یہ ذکر ایسے انداز میں تھا کہ سلیوکس بُرا نہ مانے۔ شاعروں نے اُس کی شکست کا ذکر کرنے کے باوجود اُس کا دِل نہیں توڑا تھا۔

شاعر شعر پڑھ چُکے تو چندر گُپت نے اُنہیں قیمتی ہیروں کی دو مالائیں اور

سونے کے سِکّوں کی دو تھیلیاں انعام میں دیں۔ شاعروں نے جھُک کر سلام کرتے ہوئے مالائیں اور سونے کے سِکّوں کی تھیلیاں وصول کیں اور پھر سلام کرتے ہوئے سامنے سے ہٹ گئے۔

اِس کے بعد اِس جشن کی دوسری دِل چسپیاں شروع ہوئیں۔ یہ چندر گُپت کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی کا جشن تھا، اِس لیے اِس میں وہ تمام دِل چسپیاں سمٹ آئی تھیں جو ہم اب تک مختلف جشنوں میں دیکھ چکے تھے۔ اِس جشن میں سکندر کے ٹیکسلا والے جشن کی طرح سپاہیوں کے دوڑیں لگانے اور کُشتیاں لڑنے کے مُقابلے نہ تھے، اور نہ یہاں ہمیں سپیروں کے کسی ایسے مقابلے کی توقّع تھی۔ البتّہ باقی سب کُچھ اِس جشن میں جمع کر دیا گیا تھا۔ بازی گر بھی تھے اور جادُو گر بھی۔ جوگی بھی تھے اور سپیرے بھی۔ ناچنے والوں کی ٹولیاں بھی تھیں اور شُعبدے دِکھانے والوں کی

منڈلیاں بھی۔

سب سے پہلے بازی گر آئے اور اُنھوں نے اپنے کرتب دِکھانے شروع کیے۔ پھر جادُوگروں کی ٹولی آئی اور جادُو کے چند تماشے دِکھائے، پھر سپیرے اور جوگی آئے۔ ایک سپیرے نے اپنی بین پر سانپ کے ناچ کا تماشا دِکھایا۔ دوسرے نے دو سانوں کی لڑائی دِکھائی۔ تیسرے نے ایک بھاری بھرکم ناگ کو اپنے جسم سے لپیٹ کر قلابازیاں کھائیں۔

پھر ایک ننگ دھڑنگ جوگی نوکیلی کیلوں کے بستر پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد اُٹھا تو اُس کے بدن پر کہیں ذرا بھی زخم کا نشان نہ تھا۔ اِس کے بعد ایک اور جوگی آیا اور اُس نے ننگے پاؤں دہکتے ہوئے کوئلوں پر چل کر دکھایا۔

جوگیوں کے بعد کُچھ شُعبدے دِکھانے والے آئے اور اُنھوں نے اپنے اپنے شُعبدے دِکھائے۔ وہ اپنا کام ختم کر کے ہٹے تو ناچنے والوں کی ٹولیاں میدان میں آ گئیں اور اپنے اپنے فن کا کمال دِکھانے لگیں۔ بازی گروں، جادُوگروں، سپیروں اور جوگیوں وغیرہ کو تو شاید یوں ہی جمع کر لیا گیا تھا۔ جشن میں اصل زور ناچنے والی ٹولیوں پر تھا۔ جب ٹیکسلا میں میرے باپ راجا امبھی نے چندر گُپت کے استقبال کی خاطر جشن کا بندوبست کیا تھا تو اُس میں بھی ناچنے والوں پر ہی زور تھا اور اُس نے اِن کی پندرہ کے قریب ٹولیاں دُور دُور سے منگوائی تھیں۔ اِس جشن میں بھی ناچنے والوں کی ٹولیاں دُور دُور سے آئی تھیں۔ ہر ٹولی نے باری باری اپنے ناچ کا کمال دِکھانا شروع کیا۔ ایک ٹولی کا ناچ ختم ہوتا تو دوسری ٹولی سامنے آ جاتی۔ دوسری ٹولی اپنا ناچ ختم کر چکتی تو تیسری ٹولی میدان

میں اُتر آتی۔

جتنی دیر تک اِن ٹولیوں کا ناچ ہوتا رہا، میرے قریب بیٹھی ہوئی اُوشا بے چینی سے پہلو بدلتی رہی۔ اُس کا بے چینی سے پہلو بدلنا ایک قدرتی بات تھی۔ ٹیکسلا سے لے کر پاٹلی پُتر کے راج محل تک ہم نے ناچنے والی لڑکیوں کی کتنی ہی ٹولیوں کو دیکھا تھا۔ اُن میں سے کوئی بھی اُوشا کے برابر تو کیا، اُوشا کے پاسنگ بھی نہ تھی۔ مگر اُوشا نے جیسے تیسے اپنی بے قراری پر قابو پائے رکھا۔ اِس لیے کہ ہم اِس جشن میں کسی اور مقصد کے لیے شامل ہوئے تھے۔

اِس اثنا میں شام ہو چکی تھی۔ دربار میں ہر طرف مومی اور کافوری شمعیں روشن ہو گئیں، اور اُن کے اُجالے سے دن کا سا سماں پیدا ہو گیا۔

ناچنے والوں کی آخری ٹولی اپنا ناچ دِکھا کر چندر گُپت کے سامنے سے ہٹی تو چانکیہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور چندر گُپت کو سلام کرنے کے بعد کہنے لگا۔

"مہاراج! اب اُوشا، انوشا اور سارنگ بابا آپ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ وہ ناگوں کے ناگ کیسر ناگ کی طرف سے آپ کے لیے ایک انمول تحفہ لائے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی چانکیہ نے ہمیں اشارہ کیا۔ میں، اُوشا اور سارنگ بابا چندر گُپت کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اُوشا نے کیسر ناگ کے ہیروں کا تھال اُٹھا رکھا تھا جس پر کیسری رنگ کا ایک بھاری کپڑا پڑا ہوا تھا۔ سارنگ بابا نے دونوں ہاتھ چندر گُپت کی طرف بڑھا کر کہا:

"شیش ناگ کے بیٹے! تُجھے وہ دِن اچھّی طرح یاد ہوگا جب تو ٹیکسلا میں سکندر

سے ملنے گیا تھا۔ اُس کے چند روز بعد جشن میں ہم نے دیوتاؤں کے حُکم پر شیش ناگ کے ہیروں کا تحفہ سکندر کے دامن میں ڈالا تھا۔ اُس وقت ہم نے سکندر سے کہا تھا کہ اے سکندر، تُو وہ ہے جسے لوگ رہتی دُنیا تک یاد رکھیں گے، تُو نے وہ کُچھ کیا ہے جو تُجھ سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ تُو وہاں پہنچا ہے جہاں تُجھ سے پہلے کوئی نہیں پہنچا۔ لیکن اے شیش ناگ کے بیٹے، سکندر کے ساتھ ساتھ لوگ رہتی دُنیا تک تُجھے بھی یاد رکھیں گے۔ یہ محل راجا پورس کا محل۔ یہ دربار راجا پورس کا دربار ہے۔ پورس اِس دھرتی کی آبرو تھا۔ وہ ایسا راجا تھا جسے دُنیا والے رہتی دُنیا تک یاد رکھیں گے۔ مگر اے شیش ناگ کے بیٹے! دُنیا پورس کے ساتھ ساتھ تُجھے بھی یاد رکھے گی۔ اِس لیے کہ تو نے وہ کام کیا ہے جو پورس سے نہیں ہو سکا۔ اُس وقت اِس دھرتی کا سر شرم سے جھُک گیا تھا۔ آج یہ دھرتی سینہ تان

کر اور فخر سے سر اُٹھا کر بات کر سکتی ہے۔ اور یہ سب کُچھ تیری ہمّت، حوصلہ مندی اور دانائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اے شیش ناگ کے بیٹے! اسی لیے ہم اپنے گرو ناگیش مہاراج کے حُکم سے کیسر ناگ کے انمول ہیرے تُجھے پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ تحفہ ہے جو دیوتاؤں کی طرف سے ہی دیا جا سکتا تھا۔"

یہ کہہ کر سارنگ بابا نے اُوشا کو اشارہ کیا۔ اُوشا نے آگے بڑھ کر ہیروں کا تھال چندر گُپت کی طرف بڑھا دیا۔ اِس کے ساتھ ہی سارنگ بابا نے تھال پر سے کپڑا کھینچ لیا۔ سارے دربار میں جیسے بجلی سی کوند گئی۔ کیسر ناگ کے کیسری ہیروں کی چمک دمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیانے لگیں۔

چندر گُپت نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ہیروں کا تھال تھام لیا اور سارنگ بابا

سے کہنے لگا۔ "مُجھے جو کُچھ بھی ملا ہے، آپ کی مہربانی سے ملا ہے۔ سارنگ مہاراج، انوشا مہاراج اور شیش ناگ کی بیٹی اُوشا بہن کے بغیر شیش ناگ کا یہ بیٹا کُچھ بھی نہ تھا۔ شیش ناگ کے بیٹے کو سکندر سے ملانے والے آپ تھے، اُسے سکندر کے قہر سے بچانے والے آپ ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسے پانی پُتر کا تخت دِلانے والے آپ ہیں۔ میں آپ کو سلام کرتا ہوں، آپ کے گرو ناگیش مہاراج کو سلام کرتا ہوں جِن کے حُکم پر آپ یہ ہیرے میرے لیے لائے ہیں۔"

چندر گُپت نے وہ تھال چانکیہ کو تھمایا۔ پھر آگے بڑھ کر باری باری سارنگ بابا، میرے اور اُوشا کے ہاتھ عقیدت سے چُومے اور پھر اپنے تخت پر بیٹھ گیا۔

اتنے میں سلیوکس اپنی جگہ سے اُٹھا اور چندر گُپت کے سامنے آ کر بولا۔ "چندر

گُپت! ایک چھوٹا سا تحفہ میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

تمام نگاہیں ایک ساتھ سلیوکس کی طرف اُٹھ گئیں۔ سلیوکس نے ہیلن کو اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کر سلیوکس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ سلیوکس نے ہیلن کا ہاتھ تھاما اور چندر گُپت سے کہنے لگا:

"چندر گُپت! یہ میرے دِل کا ٹکڑا ہے۔ اِس سے زیادہ مُجھے کوئی چیز عزیز نہیں، میں اپنے دِل کا یہ ٹکڑا تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ اُمّید ہے تُم میرا، تُحفہ قبول کرو گے۔"

یہ سن کر اُوشا نے تیزی سے آگے بڑھ کر ہیلن کو گلے سے لگا لیا اور اُس کا ماتھا چومتے ہوئے بولی۔ "آہا ہا! ہیلن ہماری بھابی بنے گی۔ ہیلن ہماری بھابی بنے گی!"

اور پھر وہ مُجھ سے مخاطب ہوئی۔ "بین سنبھالو، انوشا! میں ہیلن بھابی کے لیے ناچوں گی۔"

اُس نے میرا ہاتھ تھام کر مُجھے اپنی طرف کھینچا تو میں نے سارنگ بابا کی طرف دیکھا۔ اُن کی اجازت پا کر میں نے شانی کو گلے سے اُتار کر اُنہیں تھما دیا اور خود بین سنبھال کر اُس پر مہاتائی کی دُھن چھیڑ دی۔

اُوشا نے ناچنا شروع کیا تو کیا بڑے، کیا چھوٹے سب پر جادُو سا کر دیا۔ جیسے جیسے میری بین کی دُھن تیز ہوتی گئی، اُوشا کے ناچ میں تیزی آتی گئی۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چُکی تھی۔ اتنی دیر تک بین بجاتے رہنے کے باوجود میں اپنے آپ کو برابر تازہ دم محسوس کر رہا تھا اور پورے جوش سے بین بجائے جا رہا تھا۔ مگر اِس کے ساتھ میرے ذہن کے پردے پر وہ منظر بھی گھوم رہا تھا جو اِسی دربار میں اُوشا کے ناچ کے دوران میں پیش آیا

تھا۔ اُوشا کے پالتو سانپ امبر نے راجا پورس کے بڑے بیٹے کو ڈس لیا تھا اور پھر خود اُوشا انتہائی پُراسرار طور پر دربار سے غائب ہو گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ایک بار پھر یہاں کوئی ایسا ہی ماجرا پیش نہ آ جائے۔

عین اُسی وقت خوف اور درد میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ نے سب کو چونکا دیا۔ یہ چیخ سلیوکس کی بیوی اپامی کی تھی جو چندر گُپت کے تخت کے قریب سلیوکس اور ہیلن کے درمیان بیٹھی تھی۔ بین خود بخود میرے ہونٹوں سے الگ ہو گئی اور اِس کے ساتھ ہی اُوشا کے ناچتے ہوئے پاؤں رُک گئے۔

ہم دونوں کی نگاہیں ایک ساتھ اپامی کی طرف اُٹھیں۔ ایک ناگ نے اپامی کی پنڈلی پر ڈس لیا تھا اور اب وہ شاید سلیوکس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ ناگ اُوشا کا پالتو سانپ امبر تھا۔ اوشا ایک دم چیخ اٹھی۔ "امبر! امبر!" پھر اِس نے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر امبر کو اُٹھا لیا۔

دربار میں افراتفری پھیل گئی۔ سلیوکس اور ہیلن نے اپامی کو سنبھالا۔ چندر گُپت، چانکیہ اور سارنگ بابا بھی فوراً سلیوکس کی بیوی کی طرف بڑھے۔

سارنگ بابا نے اُن سب کو ایک طرف ہٹا دیا اور اپامی کی طرف توجّہ کی۔ ذرا سی دیر میں اُنھوں نے سانپ کے کاٹے کا اثر دور کر دیا۔

اُوشا بار بار امبر سے کہہ رہی تھی :

"امبر! یہ تو نے کیا کیا، امبر!"

"اوشا کو اپنے پاس موجود دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ اطمینان کی بات ہی تو تھی کہ اُوشا پہلے کی طرح دربار سے غائب نہیں ہوئی تھی۔ سلیوکس کی بیوی اپامی، جو بے ہوش ہو گئی تھی، سارنگ بابا کے علاج سے دوبارہ ہوش میں آئی تو اُس نے اپنے اِرد گِرد دیکھا اور پھر اپنے شوہر

سلیوکس سے کہنے لگی :

"ہیلن کہاں ہے ؟"

سلیوکس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو اُس کا رنگ اُڑ گیا۔ ہیلن جو ذرا دیر پہلے اُس کے قریب کھڑی تھی، اب وہاں موجود نہ تھی۔ اُس نے بُلند آواز سے پکارا،

"ہیلن!"

لیکن ہیلن دربار میں نہ تھی۔۔۔ وہ بھرے دربار سے پُراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی۔

ہیلن کہاں گئی!

ہم نے کیا سوچا تھا اور ہو کیا گیا تھا!

اُوشا جس ہیلن کی خُوشی کی خاطر ناچی تھی، وہی ہیلن دربار سے غائب ہو گئی تھی اور اُس کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ محل کا کونا کونا، چپّا چپّا دیکھ ڈالا گیا تھا۔ سپاہیوں نے اِرد گِرد کی تمام بستیاں کھنگال ڈالی تھیں، مگر ہیلن کا کہیں پتا نہ تھا۔

چندر گُپت کی حالت عجیب تھی۔ کیسر ناگ کے ہیروں کا انمول تحفہ پا کر

اُسے جو خُوشی ہوئی تھی، وہ سب مٹّی میں مل گئی تھی۔ سلیوکس اُس کا مہمان تھا اور سلیوکس کی عزّت اُس کی اپنی عزّت تھی۔ ہیلن کی تلاش کا مسئلہ اُس کے لیے غیرت کا ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا۔ جب تک ہیلن مل نہ جائے، تب تک وہ سلیوکس کے سامنے سر اُونچا نہیں کر سکتا تھا۔

اُس کا حُکم پا کر سپاہی دُور دُور تک پھیل گئے۔ مغرب میں اُنھوں نے دریائے سندھ تک کا سارا علاقہ چھان مارا، مشرق میں وہ چناب اور راوی سے آگے بیاس اور ستلج کے درمیانی علاقوں تک پہنچے۔ کئی گھڑ سوار تو اندر پرست، ہستنا پور اور ایودھیا تک ہو آئے، لیکن ہیلن کو نہ ملنا تھا نہ ملی۔

ہم محل کے خاص مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ سپاہیوں کی بھاگ دوڑ اور اُن کی ناکامی کی خبریں ہم تک پہنچتی رہتی تھیں۔ میں اور اُوشا تو اِن خبروں کو سُن کر فکر مندی ظاہر کرتے تھے، مگر سارنگ بابا ذرا بھی

افسوس یا فخر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ جیسے یہ اُن کے لیے کوئی بات ہی نہ تھی۔

سارنگ بابا کی بے فکری اور خاموشی دیکھ کر مُجھے اِسی بے فکری کا خیال آتا تھا جو سارنگ بابا نے اِسی محل میں، اِسی محل کے اِسی مہمان خانے میں، اُوشا کے اِسی طرح غائب ہو جانے پر ظاہر کی تھی۔ میں نے اُس وقت بھی حیران ہو کر سوچا تھا کہ سارنگ بابا چاہتے تو مُجھے اُوشا کی تلاش کا حُکم دے سکتے تھے، اور اب بھی میں سوچتا تھا کہ سارنگ بابا چاہتے تو مُجھے ہیلن کی تلاش کے لیے کہہ سکتے تھے، مگر جس طرح وہ اُس وقت خاموش رہے تھے، اُسی طرح اب خاموش تھے۔

اور آخر اُن کی خاموشی کی یہ مُہر اُسی طرح ٹوٹی جس طرح اُوشا کے بارے میں ٹوٹی تھی۔ ایک ماہ تک مسلسل تلاش کے بعد جب پورس کے سپاہی

اُوشا کو ڈھونڈ نکالنے میں ناکام ہو گئے تھے تو پورس آدھی رات کے وقت سارنگ بابا کے پاس آیا تھا۔

اور پورس کی طرح جب چندر گُپت بھی سلیوکس کی بیٹی کا کُچھ پتا نہ چلا سکا تو ٹھیک آدھی رات کے وقت اُس مہمان خانے میں آیا جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ سارنگ بابا کو پہلے کی طرح اب بھی جیسے اُس کے آنے کا پہلے سے اندازہ تھا، اور وہ ہمیں باتوں میں لگائے وقت گزار رہے تھے۔ دروازہ کھُلا تھا۔ جیسے ہی چندر گُپت نے دہلیز کے اندر قدم رکھا، ہم اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سارنگ بابا نے جیسے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا :

"شیش ناگ کے بیٹے! تُم اور اِس وقت یہاں؟ تُم نے ہمیں کیوں نہ بُلوایا؟"

چندر گُپت نے مُسکرانے کی کوشش کی لیکن اُس کی مُسکراہٹ ایک

اداس سی مُسکراہٹ تھی۔ وہ بولا۔ "کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا، پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے۔"

سارنگ بابا ہنس دیے۔ شیش ناگ کے بیٹے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کنواں خود ہی پیاسے کے پاس آجاتا ہے اور قدرت بِن مانگے انمول موتی بخش دیتی ہے۔ کیا شیش ناگ نے اپنے ہیرے سکندر کے دامن میں نہیں ڈال دیے تھے؟ کیا ناگیش مہاراج نے کیسر ناگ کے ہیرے تمہیں نہیں بخش دیے ہیں؟ کیا سکندر نے اُس کی خواہش کی تھی یا تُم نے دیوتاؤں سے یہ ہیرے مانگے تھے؟"

"نہیں بابا جی۔" چندر گُپت نے کہا۔ "مگر اِس بخشش کی کوئی وجہ تو ہوگی۔"

"ہاں۔" سارنگ بابا بولے۔ "وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سکندر کی رگوں میں

ناگ دیوتا کا خُون تھا، اور تم شیش ناگ کے بیٹے ہو۔"

"لیکن دیوتاؤں نے مُجھے کیسر ناگ کے ہیروں کا تحفہ دینے کے ساتھ ساتھ ہی وہ ذِلّت کیوں بخش دی ہے جس نے میرے دِن کا چین اور رات کا آرام چھین لیا ہے؟ ایسی پریشانی، ایسی ذِلّت تو مُجھے اُس وقت بھی نہیں اُٹھانا پڑی تھی جب میں سُدھا نند کے خوف سے جگہ جگہ مارا مارا پھرتا تھا۔"

سارنگ بابا بولے۔ "شیش ناگ کے بیٹے کو کیا پریشانی آن پڑی ہے۔ اب تو پُورب سے پچھّم تک اُس کے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔ اب تو اُسے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔"

چندر گپت جیسے چیخ اُٹھا۔ "میں سچ مُچ بہت پریشان ہوں۔ میرے لیے کُچھ کیجیے! میرے لیے کُچھ کیجیے؟"

"تُم حُکم کرو، شیش ناگ کے بیٹے۔" سارنگ بابا نے کہا۔ "ہم جوگیوں اور سنیاسیوں کا تو دھرم ہی دوسروں کی خدمت کرنا ہے۔"

چندر گُپت نے ذرا دیر خاموشی اختیار کی، پھر کہنے لگا۔ "آپ کو جشن کی رات تو یاد ہو گی، جب آپ نے کیسر ناگ کے ہیروں کا تحفہ مُجھے دیا تھا اور سلیوکس نے اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کرنے کی بات کی تھی؟"

"ہاں، ہمیں یاد ہے۔ اُس کے بعد اُوشا بیٹی ہیلن کی خوشی کے لیے ناچی تھی۔"

"اور اِسی ناچ کے دوران میں ایک سانپ نے سلیوکس کی بیوی کو ڈس لیا تھا، اور پھر ہیلن غائب ہو گئی تھی۔"

"ہاں۔" سارنگ بابا بولے۔ "سلیوکس کی بیوی کی قسمت اچھّی تھی کہ ہم

نے فوراً ہی اُس کی بیوی کے جسم سے سانپ کا زہر نکال دیا۔ میری دُعا ہے کہ قُدرت اُسے ہر مُصیبت سے دُور رکھے۔"

"میں ہیلن کی بات کر رہا تھا۔" چندر گُپت نے کہا۔ "وہ اب تک غائب ہے اور ہماری سر توڑ کوششوں کے باوجود ابھی تک اُس کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔ میرے سپاہیوں نے سندھ سے بیاس تک سارا علاقہ چھان مارا ہے۔ گھڑ سوار اندر پرست اور ہستنا پور بلکہ پاٹلی پُتر تک ہو آئے ہیں، مگر ہیلن کہیں نہیں ملی۔"

سارنگ بابا نے کہا۔ "شیش ناگ کے بیٹے! ہو سکتا ہے وہ سندھ کے پار یہ چلی گئی ہو!"

"سندھ کے پار!" چندر گُپت نے کہا۔ "آپ شاید مذاق کر رہے ہیں، ورنہ

ایک لڑکی اتنی ذرا سی دیر میں جہلم کے کنارے سے سندھ کے پار کیسے جا سکتی ہے! کیا وہ کوئی بھُوت پریت تھی؟"

"یہ تو وہی جانے۔" سارنگ بابا بولے۔ "لیکن کیا تمہیں وہ دِن یاد نہیں جب تُم پل کی پل میں ٹیکسلا میں سکندر کے سامنے سے جہلم کے پار پہنچ گئے تھے؟"

"وہ تو انوشا جی کی مہربانی تھی۔" چندر گُپت نے کہا۔

"یہ بھی کسی کی مہربانی ہو سکتی ہے۔"

چندر گُپت پھر چیخ اُٹھا۔ "کسی طرح ہیلن کا پتا چلائیے بابا جی۔ جب تک ہیلن نہیں مل جاتی، تب تک میں سلیوکس کے سامنے سر نہیں اُٹھا سکتا۔ مُجھے نہیں معلوم تھا کہ جس دُشمن کو میں نے اتنی آسانی سے شکست دی

تھی، اُس کے سامنے مُجھے یوں ذلیل ہونا پڑے گا۔ مُجھے اِس ذِلّت سے بچائیے۔ میرے لیے کُچھ کیجیے۔ کہنے کو پورب سے پچھّم تک میرے نام کا ڈنکا بجتا ہے، لیکن سچ پوچھیے تو میں جتنا بے بس اِس وقت ہوں، پہلے کبھی نہ تھا۔ مُجھے نہیں معلوم تھا کہ اتنی بڑی سلطنت کا مالک ہوتے ہوئے بھی میں اتنا مجبور اور بے بس ہو سکتا ہوں۔ میری امداد کیجیے مہاراج! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ آپ کے پاؤں پڑتا ہوں!"

سارنگ بابا کہنے لگے۔ "شیش ناگ کے بیٹے قُدرت نے تُجھے وہی سبق دیا ہے جو سکندر کو بیاس کے کنارے دیا تھا۔ آدھی دُنیا کا بادشاہ سکندر اپنی تمام طاقت کے باوجود بیاس کے کنارے بے بس ہو گیا تھا۔ وہ سمجھنے لگا تھا کہ اب دُنیا پر سکندر کی مرضی ہی چلے گی۔ وہ بھول گیا تھا کہ اِس دُنیا پر اَن دیکھی طاقتوں کی مرضی چلتی ہے اور ہم لاکھ چاہیں، وہی ہوتا ہے جو اَن

دیکھی طاقتیں چاہتی ہیں۔ بڑے بڑے راجا، بڑے بڑے بلوان، طاقت اور حکومت کے نشے میں یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب دُنیا اُن کی غُلام ہے، اور اُن کے حُکم کے بغیر ایک پتّا بھی نہیں ہل سکتا۔ مگر قدرت بڑے بڑے بلوانوں کی طاقت کا پل بھر میں ناس کر دیتی ہے۔ انسان کتنا مورکھ ہے کہ طاقت کے غُرور میں اپنے آپ کو دیوتاؤں کی طرح سمجھنے لگتا ہے۔ انسان انسان ہے اور دیوتا دیوتا۔"

"میں نے تو ایک پل کے لیے بھی اپنے آپ کو دیوتاؤں کی طرح نہیں سمجھا۔" "لیکن تمہیں اپنی طاقت، اپنی حکومت اور اپنی فوج پر مان تو تھا۔ تم سمجھتے تھے کہ تمہارے سپاہی ہیلن کو پاتال سے بھی ڈھونڈ لائیں گے۔ تُم سے پہلے پورس نے بھی ایسا ہی کیا تھا، جب اُوشا اُن کے دربار سے غائب ہو گئی تھی۔ اُن کے سپاہی ایک مہینے تک جھک مارتے رہے تھے

اوراِس کے بعد وہ آدھی رات کے وقت یہاں آئے تھے۔ تُم بھی اُس وقت یہاں آئے ہو جب اپنی حکومت اور طاقت کا سارا زور لگا کر بھی ہیلن کا پتا نہ چلا سکے۔"

"مُجھ سے سخت بھول ہوئی، مہاراج۔" چندر گُپت نے کہا۔ "مُجھے پہلے ہی آپ کے پاس آنا چاہیئے تھا۔"

"نہیں، شیش ناگ کے بیٹے!" سارنگ بابا بولے۔ "تُم سے کوئی بھول نہیں ہوئی۔ تُم اپنے وقت پر آئے ہو۔ قُدرت تمہیں یہ احساس دِلانا چاہتی تھی کہ ایک انسان دُنیا کی ساری طاقت کا مالک ہونے کے باوجود کتنا بے بس ہو سکتا ہے۔ جب پورس اُوشا کی خاطر یہاں آئے تھے تو ہم نے انوشا کو اُس کی تلاش کے لیے بھیجا تھا۔ اب ہم پھر انوشا کو بھیجتے ہیں۔ انوشا کو ہی نہیں، اُوشا کو بھی۔"

یہ کہہ کر سارنگ بابا مُجھ سے مخاطب ہوئے۔ "انوشا بیٹے، ایک بار تُم ہمارے سردار کا بچّہ ڈھونڈ کر لائے تھے۔ دوسری بار تُم نے اُوشا کا پتا چلّایا تھا۔ اب ایک بار پھر ذرا تکلیف کرو اور دیکھو کہ سلیوکس کی بیٹی ہیلن کہاں ہے؟"

اور پھر وہ اُوشا سے بولے۔ "اُوشا بیٹی! تُم جشن میں ہیلن کی خوشی کی خاطر ناچی تھیں۔ انوشا کے ساتھ تُم بھی جاؤ اور ذرا دیکھو تو سہی کہ تمہاری ہیلن بھابی کہاں ہے۔"

سارنگ بابا کے اِن الفاظ کے ساتھ ہی میں اور اُوشا راجا پورس کے محل سے ایک دوسری دُنیا میں پہنچ گئے۔

شیش ناگ کے قدموں میں

یہ دُنیا ہمارے خوابوں اور ارمانوں کی دُنیا پشکلاوتی تھی۔ وہ پشکلاوتی جہاں شیش ناگ کا مندر تھا۔ وہ پشکلاوتی جہاں اُوشا نے جنم لیا تھا۔ وہ پشکلاوتی جہاں میں نے اپنی زندگی کے پہلے دس سال گزارے تھے اور وہ پشکلاوتی جسے سکندر نے تباہ و برباد کر کے ایک بھیانک کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہم، میں اور اُوشا، پشکلاوتی کے انہی بھیانک کھنڈروں میں آ پہنچے تھے۔

ہم اِن کھنڈروں میں پہلے بھی آ چکے تھے، جب سارنگ بابا نے سُرخ

ہیرے شیش ناگ کی بھینٹ کرنے کے ہمیں یہاں بھیجا تھا اور شیش ناگ نے یہ ہیرے سکندر کے دامن میں ڈالنے کا حُکم دیا تھا۔ اُس وقت یہ شہر ویران اور تباہ ہو چکا تھا اور دُور دُور تک کوئی گاؤں، کوئی بستی ایسی نظر نہ آتی تھی جو تباہ نہ ہو چکی ہو۔ ہر طرف تباہی اور ویرانی کا راج تھا اور جہاں کبھی انسان بستے تھے، وہاں اُلّو بول رہے تھے۔

اور اب کہ تقدیر کے اَن دیکھے ہاتھ نے مُجھے اور اُوشا کو ایک بار پھر اپنے خوابوں اور ارمانوں کے کھنڈروں میں بھیج دیا تھا تو آبادی کے رہے سہے نشان بھی مٹ چکے تھے۔ آبادی کی جگہ جنگل اُگ آیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی بستی تھی ہی نہیں۔ کنٹک قبیلے کا تمام علاقہ ایک گھنے جنگل میں تبدیل ہو چکا تھا اور اِس گھنے جنگل نے شیش ناگ کے مندر کو بھی ڈھانپ لیا تھا۔

میں اور اُوشا حیرانی سے کبھی اُس جنگل کو دیکھتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کی طرف۔ پھر ہم نے جھاڑیوں اور درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ وہی پُراسرار بُو جس نے اِس سے پہلے سارنگ بابا کے غار تک، اُوشا کے غار تک اور پھر ناگیش مہاراج کی کُٹیا تک ہماری رہنمائی کی تھی، اب پھر ہماری رہنمائی کر رہی تھی۔

اِس پُراسرار بُو کی رہنمائی میں آگے بڑھتے ہوئے ہم شیش ناگ کے مندر تک جا پہنچے۔ مندر کا باہر کا حصّہ تو سکندر کے حملے کے وقت ہی تباہ ہو چکا تھا مگر اُس کے اندر شیش ناگ کی مورتی پہلے کی طرح اب بھی موجود تھی۔ لیکن اب وہاں نہ کوئی پروہت رہا تھا نہ پُجاری۔ نہ کوئی چڑھاوے چڑھانے والا تھا اور نہ کوئی اُنہیں قبول کرنے والا۔ جس طرح پشکلاوتی کے کھنڈروں

نے جنگل کی شکل اختیار کر لی تھی، اِسی طرح مندر کے اندر بھی جگہ جگہ درخت اور جھاڑیاں اُگ آئی تھیں اور ہر طرف ویرانی اور خوفناک خاموشی کا راج تھا۔

جس پُر اسرار بُو نے ہمیں مندر تک پہنچایا تھا، اب وہ غائب تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں پہلے کی طرح اپنے سامنے کسی ناگ کو دیکھوں گا جو کسی غار کے دروازے پر پہرا دے رہا ہو گا، مگر یہاں غار کے بجائے شیش ناگ کا مندر سامنے ہمارے تھا۔

یہ بات خاصی حیران کُن تھی، مگر ہم اپنی حیرانی کو دبائے شیش ناگ کی مورتی کی طرف بڑھے اور پھر اُس سے کُچھ دُور ہی ٹھٹک کر رہ گئے۔ ہمیں یوں لگا جیسے مورتی کے قدموں میں کوئی لیٹا ہوا ہے۔ یہ ہیلن تھی جو شیش ناگ کے قدموں میں لیٹی ہوئی آرام کی نیند سو رہی تھی۔ ابھی ہم آگے

بڑھنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ شیش ناگ کی مورتی کے پیچھے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ ہم جلدی سے ایک جھاڑی گئی اوٹ میں ہو گئے۔ مورتی کے پیچھے سے ایک عورت نکلی اور ایک پیالہ لیے ہیلن کی طرف آئی۔ ہیلن کے قریب آ کر وہ اُس پر جھکی، کندھے ہلا کر اُسے جگایا اور پھر وہ پیالہ جو دُودھ سے بھرا ہوا تھا، اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

ہیلن آہستہ آہستہ دودھ کے گھونٹ بھرنے لگی۔ اِسی دوران میں اُس عورت نے نظریں اُوپر اٹھائیں اور میں نے فوراً اُس کو پہچان لیا۔ وہ میری ماں تھی۔

"ماں!"

میں بے تاب ہو کر چیخا، لیکن میری آواز حلق ہی میں گھُٹ کر رہ گئی۔ میں

نے آگے بڑھنا چاہا لیکن قدرت کی اَن جانی، اَن دیکھی طاقتوں نے میرے وجود کو جکڑ لیا۔ میں اپنے سامنے اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا لیکن نہ اُسے آواز دے کر بُلا سکتا تھا اور نہ اُس کے پاس جا سکتا تھا۔

ہیلن دُودھ پی چکی تو میری ماں نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی۔

"تُم شیش ناگ کے بیٹے کی امانت ہو، بیٹی۔ اور ہم شیش ناگ کی امانت کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ کہو تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں، کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

ہیلن نے سر ہلا دیا۔ "تو بس اب آرام سے سو جاؤ۔ میرا بھائی پہلے کی طرح تمہاری رکھوالی کرتا رہے گا۔"

ہیلن دوبارہ شیش ناگ کی مورتی کے قدموں میں لیٹ گئی اور میری ماں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہوئی مورتی کے پیچھے غائب ہو گئی۔ اُس کے غائب ہوتے ہی مورتی کی دوسری طرف سے ایک آدمی نکل کر ہیلن کی طرف آیا اور اس سے چند قدم دُور ایک پہرے دار کی طرح کھڑا ہو گیا۔ ایک ننگی تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی۔

پہرا دیتے دیتے اُس نے نظریں اُوپر اٹھائیں، اور میں نے فوراً اسے پہچان لیا۔ یہ میری ماں کا بھائی تھا۔ میرا ماموں۔ شیش ناگ کے مندر کا پروہت اور اُوشا کا باپ، جِس نے اُوشا کو پیدا ہونے کے ساتھ ہی سندھ کی لہروں کے حوالے کر دیا تھا۔

میری طرح اُوشا نے بھی اپنے باپ کو پہچان لیا۔ اُس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز اُس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اُس نے آگے

بڑھنا چاہا لیکن میری طرح اُسے بھی کسی اَن جانی، اَن دیکھی طاقت نے اُسی جگہ جکڑلیا۔ اُوشا اپنے سامنے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی، لیکن نہ اسے آواز دے کر بُلا سکتی تھی اور نہ اُس کے پاس جا سکتی تھی۔ رات بھر اُوشا کا باپ ننگی تلوار لیے ہیلن کے پاس کھڑا پہرا دیتا رہا اور ہم قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں کے پنجوں کے میں جکڑے ہوئے جھاڑی کی اوٹ میں خاموش کھڑے رہے۔

صُبح کا اُجالا پھیلتے ہی اُوشا کا باپ شیش ناگ کی مورتی کی اوٹ میں غائب ہو گیا اور ہم جیسے ایک دم قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں کی جکڑبندیوں سے آزاد ہو گئے، ہم تیزی کے ساتھ جھاڑی کی اوٹ سے نکلے اور ہیلن کی طرف آئے۔ وہ ابھی تک سو رہی تھی، ہم جلدی سے شیش ناگ کی مورتی کے پیچھے لپکے۔ میں اپنی ماں کو دیکھنا چاہتا تھا اور اُوشا اپنے باپ سے ملنا چاہتی

تھی، مگر وہاں نہ میری ماں اور نہ اُوشا کا باپ۔ وہاں کُچھ بھی نہ تھا۔

ہم واپس ہیلن کی طرف آئے اور اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ اُوشا نے اُس کا کندھا ہلا کر اُسے جگانے کی کوشش کی۔

"ہیلن! ہیلن! اُٹھو، ہیلن!"

دو ایک بار جھنجھوڑنے سے ہیلن آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھی اور جب اُس نے اُوشا کو اپنے سامنے دیکھا تو چیخ مار کر اُس سے لپٹ گئی۔

"اُوشا! اُوشا بہن! یہ تُم ہو! سچ مُچ تُم ہو یا میں کوئی سپنا دیکھ رہی ہوں!"

"یہ سپنا نہیں ہے، ہیلن۔" میں نے کہا۔ "ہم تمہاری تلاش میں یہاں تک آئے ہیں۔"

"تم یہاں کیسے پہنچ گئیں ہیلن؟" اُوشا نے پوچھا۔ "کون لایا تھا تمہیں یہاں؟"

"پتا نہیں۔" ہیلن نے کہا۔ "میں خود نہیں سمجھ سکی کہ میں یہاں کیسے پہنچ گئی ہوں اور کون مُجھے یہاں لایا ہے، کیوں لایا ہے؟"

"یہ قدرت کی اَن دیکھی طاقتوں کے کھیل میں، ہیلن اور ہم سب اِن طاقتوں کے ہاتھوں میں بے بس اور بے جان کٹھ پُتلیوں کی طرح ہیں۔"

"ہاں، یہ تو قدرت ہی کے کھیل ہیں۔" ہیلن نے کہا۔ "قدرت کی اَن دیکھی طاقتیں مُجھے یہاں لائی ہیں، اُنہوں نے ہی میری حفاظت کے لیے اُس مہربان عورت اور اُس کے بھائی کو بھیج دیا ہے۔ وہ عورت میرے لیے دودھ کا پیالہ لاتی ہے اور اُس کا بھائی رات بھر میری حفاظت کرتا ہے۔"

"تم جانتی ہو وہ کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" ہیلن بولی۔ "میرے پوچھنے پر بھی اُنہوں نے نہیں بتایا۔"

"کیا تُم جاننا چاہتی ہو کہ وہ کون ہیں؟"

"ہاں۔" ہیلن بولی۔ "ضرور جاننا چاہتی ہوں۔"

"تو سنو!" میں نے کہا۔ "وہ عورت میری ماں ہے اور وہ اُس وقت مر گئی تھی جب میں صرف دس سال کا تھا۔ اور وہ مرد جو اُس عورت کا بھائی ہے، اُوشا کا باپ ہے اور وہ اُس وقت مارا گیا تھا جب سکندر کی فوج نے پردیکاس کی ماتحتی میں دریائے کابل کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے پشکلاوتی اور اُس کے آس پاس کے علاقوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔"

ہیلن کی چیخ نکل گئی۔

"یہ تُم کیا کہہ رہے ہو، انوشا جی! یہ مرد اور عورت جو میری حفاظت کرتے

ہیں، مُردوں کی دُنیا سے تعلّق رکھتے ہیں۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ میری ماں کی روح نے ایک بار نہیں، کئی بار میری حفاظت اور رہنمائی کی ہے۔ اُوشا کے باپ نے داسکی راجا کے مندر میں، اُس کے سامنے ظاہر ہو کر، اُوشا سے کہا تھا کہ تمہارے ذمّے شیش ناگ کا جو قرض تھا، وہ ادا ہو چُکا ہے۔ اس لیے میری ماں اور اُوشا کے باپ نے اگر شیش ناگ کے سائے میں تمہاری حفاظت اور خبر گیری کی ہے تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔"

مگر ہیلن کے لیے یہ حیرت کی ہی نہیں، ڈر کی بات بھی تھی۔ اُس کی رنگت اُڑی جا رہی تھی۔ کُچھ دیر تک وہ پھٹی پٹی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھتی رہی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔ ہم نے بے ہوش ہیلن کو پھر شیش ناگ کی مورتی کے قدموں میں لِٹا دیا اور اُس کے دائیں بائیں بیٹھ

گئے۔ کُچھ دیر بعد اُوشا کی آواز نے اِس خاموشی کو توڑا۔ "انوشا!"

"ہاں۔"

"تُم نے یہ بات آج تک مُجھ سے کیوں چھپائے رکھی؟"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ تمہاری ماں اور میرا باپ دونوں بہن بھائی تھے۔ کیا کوئی اتنا قریبی ہو کر اتنا کٹھور اور پتھرّ دِل بھی ہو سکتا ہے؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں تو اُسی وقت بتا دینا چاہتا تھا جب تم راجا پورس کے دربار سے غائب ہوئی تھیں اور میں تمہاری تلاش میں اُس غار تک پہنچا تھا، جہاں تُم نے مُجھے اپنی داستان سُنائی تھی۔ میں تو اُسی وقت جان گیا تھا کہ میری ماں تمہاری پھوپھی تھی اور تمہارا باپ میرا ماموں تھا۔ لیکن

قدرت کی جس اَن دیکھی طاقت نے تمہیں راجا پورس کے دربار سے اُٹھا کر اِس غار میں پہنچا دیا تھا، اُسی اَن دیکھی طاقت نے میرے ہونٹ سی دیے تھے۔ اُس کے بعد بھی جب میں نے اِس کا ارادہ کیا، میرے ہونٹوں پہ مُہر سی لگ جاتی رہی۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ تمہیں اِس رشتے کا پتا یہاں آ کر ہی چلے۔ حالانکہ تُم نے جس گھر میں جنم لیا ہے، میں نے اُس گھر میں اپنی زندگی کے دس سال گزارے ہیں۔"

"وہ گھر کہاں ہے؟"

"اب کہاں ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "وہ تو کبھی کا تباہ ہو چکا۔ سکندر کی فوج نے یہاں کی تمام آبادیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔"

"پھر بھی کوئی نشانی ایسی تو ہو گی جس سے تم پہچان سکو۔" اُوشا بولی۔

"میرے ساتھ آؤ بچّو! میں تمہیں وہ گھر دِکھاتی ہوں!" اِس آواز پر ہم دونوں چونک گئے۔ یہ میری ماں کی آواز تھی۔ یہ آواز شیش ناگ کی مورتی کی اوٹ سے نہیں، مندر کی باہر کی دیوار کے پاس سے آئی تھی۔ میری ماں مُجھے اور اُوشا کو اپنی طرف بُلا رہی تھی۔"

"اِس لڑکی کی فکر نہ کرو، اور اِسے اِسی طرح پڑا رہنے دو۔ کوئی اِسے کُچھ نہیں کہے گا۔ آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں وہ گھر دِکھاتی ہوں۔" ہم بے ہوش ہیلن کو، اِسی حال میں چھوڑ کر مندر کی باہر کی دیوار کی طرف بڑھے۔ اِس کے بعد میری ماں آگے آگے ہولی اور ہم اُس کے پیچھے چلنے لگے۔

میری ماں ہمیں اُن کھنڈروں میں لے گئی جہاں کبھی کنٹک قبیلے کی بستی ہوا کرتی تھی۔ پھر وہ ایک کھنڈر میں جا کے رُک گئی اور اُس کی طرف اشارہ کر کے بولی!

"یہی ہے وہ گھر جہاں اُوشا نے آنکھ کھولی تھی اور جس میں انوشا نے اپنی زندگی کے پہلے دس سال گزارے تھے۔"

ہم دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کھنڈر کو دیکھ رہے تھے، جو کبھی کنٹک قبیلے کے سردار کا گھر ہوا کرتا تھا۔ میں اپنے تصوّر کی آنکھ سے اُن دِنوں کو دیکھ رہا تھا جو میں نے اِس گھر میں گزارے تھے۔ وہ دِن جب میں بے فکری کے ساتھ سارا سارا دِن بستیوں سے ہوتے ہوئے جنگلوں میں دُور دور تک نکل جاتا تھا۔ وہ دِن جب سو سو سانپ ایک وقت میں میرے سامنے کھیلتے رہتے تھے، اور میں بھی اُن کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا۔ وہ دِن جب میری سیٹی کی آواز پر سانپ میرے سامنے آکر کسی بازی گر کی طرح لوٹ پوٹ ہونے لگتے تھے۔ وہ دِن جب میری بین کی آواز پر سینکڑوں ہزاروں سانپ کٹوریوں سے دودھ پینے کے لیے اکٹھّے ہو جاتے

تھے۔

میں بے فکری کے اُس زمانے کی سنہری یادوں میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک میری ماں کی آواز نے مُجھے چونکا دیا۔

"انوشا!"

وہ میری طرف مڑ کہ مُجھے گھورنے لگی تھی۔ "میں نے تمہیں اپنی بہن کی طرف بھیجا تھا مگر تُم دھرتی کا گز بنے پھر رہے ہو۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میری بہن تمہیں دیکھ کر اپنا کلیجا ٹھنڈا کر سکے؟" جاؤ! میری بہن تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

اور یہ کہہ کر وہ ایک دم غائب ہو گئی۔

"ماں! ماں!" میں چیخ اُٹھا۔

"جاؤ! میری بہن تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" ماں کی آواز جیسے کہیں دور سے آ رہی تھی۔ میں نے اُوشا کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم رو رہی ہو اوشا!"

"ہاں۔ تمہاری ماں اُس وقت چل بسی تھی جب تُم دس سال کے تھے، اور میرے باپ نے مُجھے پیدا ہوتے ہی سندھ کی لہروں کے حوالے کر دیا تھا۔ تم یہاں آ کر اپنی ماں سے مل چکے ہو، اُس سے باتیں کر چکے ہو، پر میں کیسی بد نصیب ہوں کہ اپنے باپ کے پیر بھی نہیں چھُو سکی۔ کیا تمہاری طرح مُجھے اپنے باپ سے دو باتیں کرنا بھی نصیب نہیں ہو سکتا؟" میں نے اُوشا کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔ "آؤ، واپس چلیں۔ ہو سکتا ہے شیش ناگ کے مندر میں پہنچ کر تمہیں اپنے سوال کا جواب مل جائے۔"

ہم شیش ناگ کے مندر میں پہنچے۔ وہاں ہیلن ابھی تک شیش ناگ کی مورتی کے قدموں میں بے ہوش پڑی تھی، اور اُس کے قریب اُوشا کا باپ ننگی تلوار لیے پہرا دے رہا تھا۔

ہمیں دیکھتے ہی اُس نے تلوار ایک طرف پھینک دی اور اپنے بازو پھیلا دیے۔ "اُوشا! انوشا! آؤ، میرے بچّو!، میرے سینے سے لگ جاؤ۔ تمہاری خاطر قدرت نے اپنا قانون تھوڑی دیر کے لیے بدل دیا ہے۔"

ہم دونوں تیزی سے آگے بڑھے اور اُس شخص کے سینے سے لگ گئے جو میرا ماموں اور اُوشا کا باپ تھا، اور جو اُس وقت مارا گیا تھا جب سکندر کی فوج پشکلاوتی کے لیے تباہی اور بربادی کا پیغام بن کر آئی تھی۔ ہم اس کے سینے سے لگے تھے اور اُس کو ایک جیتے جاگتے انسان کی طرح محسوس کر رہے تھے۔ وہ محبّت اور شفقت کے ساتھ ہمیں اپنے سینے سے لگائے

ہمارے سروں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ہماری یہ کیفیّت نہ جانے کب تک رہتی کہ اُوشا کے باپ کی بھاری آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ "ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ جاؤ، اب اِسے واپس لے جاؤ!"

اور اِن الفاظ کے ساتھ وہ وہیں کھڑے کھڑے غائب ہو گیا، اور ہم جو اُس کے سینے سے لگے کھڑے تھے، دھم سے زمین پر گر پڑے۔ ہم نے یوں ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

مگر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ جس طرح میری ماں ایک دم غائب ہو گئی تھی، اُسی طرح اُوشا کا باپ بھی ایک دم غائب ہو گیا تھا۔ لیکن جاتے جاتے وہ اُوشا کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کر گیا تھا۔ اُوشا تو اپنے باپ کے پاؤں چھُونا چاہتی تھی مگر اُس نے اُوشا کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ بالکل ایک جیتے جاگتے انسان کی طرح۔ اُوشا کی

خاطر قدرت نے واقعی تھوڑی دیر کے لیے اپنا قانون بدل دیا تھا، ورنہ اِس دُنیا سے جا کر کون کسی کی خبر لینے آتا ہے۔

اُوشا کے باپ کے غائب ہونے کے ساتھ ہی ہیلن جیسے خود بخود ہوش میں آ گئی۔ وہ اُٹھ بیٹھی اور ڈری سہمی نظروں سے ہماری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اُس سے کہا۔

"ڈرو نہیں، ہیلن۔ قدرت کی اَن دیکھی طاقتیں تمہیں جس مقصد کے لیے یہاں لائی تھیں، شاید وہ پورا ہو چُکا ہے۔ آؤ، اب ہم تمہیں واپس لے چلیں۔"

ہم نے سہارا دے کر ہیلن کو اُٹھایا اور اُس کے بازو تھامے مندر سے باہر آ گئے۔ اب ہمیں واپس جانا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں ہمارے قدم ٹیکسلا

کی طرف اُٹھنے لگے۔ قُدرت کی اَن جانی، اَن دیکھی طاقتیں ایک بار پھر ہمیں اُس شہر کی طرف لیے جا رہی تھیں جہاں کبھی راجا امبھی کے محل میں انوشا نے آنکھ کھولی تھی!

بجرنگ

ٹیکسلا کا شہر میرا وطن ضرور تھا مگر اِس شہر نے میرے دامن میں پھول نہیں انگارے ہی ڈالے تھے۔ پیدائش سے لے کر مگدھ کی طرف روانہ ہونے تک میرے ساتھ اِس شہر میں جو کُچھ ہوا تھا، اُس کی یاد میرے لیے خوشی نہیں تکلیف کا باعث تھی۔ میں اُوشا کے ساتھ پاٹلی پُتر کی طرف جانے کے لیے صرف اِس لیے تیّار ہو گیا تھا کہ اِس شہر میں جو واقعات میرے ساتھ پیش آئے تھے، میں انہیں بھول جانا چاہتا تھا اور اِس شہر

سے اپنا ناتا توڑ لینا چاہتا تھا۔

جب میں سارنگ بابا اور اُوشا کے ساتھ پشکلاوتی جانے کے ارادے سے ٹیکسلا آیا تھا تو سکندر کے دربار میں پہنچ کر ہمارے ساتھ وہ ماجرا پیش آیا جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اور اِس کے نتیجے میں ہم سکندر کے ساتھ چپک کر رہ گئے تھے اور پھر سائے کی طرح اُس کے ساتھ ساتھ رہے تھے۔ پھر جب ہم چندر گُپت کی دعوت پر دوبارہ ٹیکسلا آئے تھے تو اوپر تلے کئی واقعات ایسے پیش آ گئے جن کے متعلّق میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اِسی شہر میں میرے باپ راجا امبھی نے چندر گُپت کا استقبال سکندر سے کہیں بڑھ کر کیا تھا۔ اور پھر راجا امبھی کے بیٹے نے خود اپنے باپ کا سر کاٹ کر چندر گُپت کو تحفے کے طور پر پیش کیا تھا، اور چندر گُپت نے اُسے ٹیکسلا کا راجا بنا دیا تھا۔ لیکن دوسرے ہی دِن تقدیر کے زبردست ہاتھ نے

اسے ٹیکسلا کی راج گدّی سے اُٹھا کہ اپنے باپ کے پاس پہنچا دیا تھا۔ اور پھر میرے باپ کی راج گدّی راجا پردانک کے بیٹے کے ہاتھ آ گئی تھی۔

اِن سارے واقعات کی وجہ سے ہی میں نے پاٹلی پُتر کا رُخ کیا تھا۔ پاٹلی پُتر کی طرف روانہ ہوتے ہوئے میں نے جی میں ٹھان لی تھی کہ ایک بار اِس شہر کو چھوڑ دینے کے بعد دوبارہ اِدھر کا رُخ نہیں کروں گا۔ مگر اب قدرت کی اَن دکھی طاقتیں مُجھے پھر ٹیکسلا کی طرف لے جا رہی تھیں۔ سارنگ بابا نے سچ مُچ بڑی پتے کی بات کہی تھی کہ اِس دُنیا پر اَن دیکھی طاقتوں کی مرضی چلتی ہے اور ہم انسان اِن طاقتوں کے ہاتھوں میں کھلونوں اور کٹھ پُتلیوں کی طرح بے بس ہیں۔

ایک بار پھر وہی پراسرار بُو ہمارے نتھنوں سے ٹکرانے لگی جس نے اِس سے پہلے نہ جانے کتنی بار اور کہاں کہاں میری رہنمائی کی تھی۔ یہ وہی بُو

تھی جو مُجھے سب سے پہلے سارنگ بابا کے غار تک لے گئی تھی۔ میں اِسی بُو کی رہنمائی میں اُوشا کے غار تک پہنچا تھا۔ اِسی بُو نے ہمیں ناگیش مہاراج کی کُٹیا تک پہنچایا تھا۔ اِسی بُو نے ہمیں پشکلاوتی میں ہیلن تک پہنچنے میں مدد دی تھی۔

یہ پُراسرار بُو ہمیں ایک کُٹیا تک لے گئی جو ایک ندی کنارے تھی۔ ذرا سی دیر کے لیے مُجھے یہ گمان ہوا جیسے ہم انوسہ ندی کے کنارے جگ موہن رِشی کی کُٹیا کے سامنے آ پہنچے ہیں، لیکن یہ صرف میرا گمان ہی تھا۔ ہم انوسہ ندی کے کنارے نہیں تھے جہاں پہنچ کر کپل وستو کے راج کمار ساکیہ منی گوتم نے اپنا شاہی لباس اُتار دیا تھا، سر کے لمبے لمبے بال تلوار سے کاٹ کر پھینک دیے تھے اور جوگیوں جیسا لباس پہن کر بھیک کا کشکول ہاتھ میں لے لیا تھا۔ یہ وہ ندی تھی جو ٹیکسلا کے راستے سے ہٹ کر اور اُس

سے چند کوس دُور پچھّم کی طرف تھی۔ اِس ندی کے کنارے کُٹیا جگ موہن رِشی کی کُٹیا جیسی ضرور تھی اور اس کے دروازے پر جو شخص بیٹھا تھا، وہ بھی کوئی جوگی یا رِشی ہی لگتا تھا مگر وہ اکیلا ہی تھا۔ جگ موہن رِشی کی طرح لوگوں کی بھیڑ بھاڑ اُس کے اِرد گِرد نہیں تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور دونوں بازو پھیلا کر کہنے لگا!

"آؤ، آؤ بچّو! ہو سکتا ہے تُم وہی ہو جِن کا ہمیں انتظار ہے۔"

پھر اُس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ تھوڑی دیر تک وہ میری طرف غور سے دیکھتا رہا، پھر جیسے حیرانی اور خوشی سے چلّا اُٹھا۔ "تُم انوشا ہو؟"

"ہاں۔"

"راجکمار انوشا! امبھی کے بڑے بیٹے؟"

میں خاموش رہا۔ آج تک میں نے کسی کے سامنے اِس رشتے کا اقرار نہیں کیا تھا جو میرے اور راجا امبھی کے درمیان تھا۔ خود راجا امبھی کے سامنے بھی نہیں۔ میں تو اُس کے لیے جیسے اُسی دِن مر گیا تھا جس دِن اُس کی تیسری رانی نے میرے سوتیلے بھائی کو جنم دیا تھا۔ وہ سوتیلا بھائی جس کی قسمت میں ٹیکسلا کی راج گدّی پر بیٹھنا لکھا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اُس کی خاطر اُس نے خود اپنے باپ کو قتل کر کے اُس کا سر چندر گُپت کو تحفے کے طور پر پیش کیا، اور اِس کے باوجود اُسے صرف ایک دِن کے لیے ٹیکسلا کی راج گدّی پر بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔

"خاموش کیوں ہو گئے؟ کیا تُم وہی انوشا نہیں ہو جس کے پیدا ہونے پر نجومیوں نے کہا تھا کہ بڑے بڑے راجا اِس کے آگے سر جھکائیں گے،

اور بڑے بڑے بلوان اِس کے سامنے کان پکڑیں اور ماتھا رگڑیں گے ؟ بولو کیا تُم وہی راج کمار نہیں ہو؟"

میں اب پھر خاموش رہا۔

"بولو! کیا تُم وہی انوشا نہیں ہو؟ ٹیکسلا کے وہ راج کمار جس کے بارے میں نجومیوں نے حساب لگا کہ کہا تھا کہ اِس راج کمار کو محل میں رہنا نصیب نہ ہو گا اور وہ راج محل سے دُور شیش ناگ اور تکشک ناگ کے سائے میں پرورش پائے گا۔ بولو! کیا تُم وہی انوشا نہیں ہو؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "میں وہی انوشا ہوں جس کے بارے میں نجومیوں نے کہا تھا کہ راج پاٹ اِس کی قسمت میں نہیں ہے۔"

"اور میں بجرنگ ہوں۔" اُس شخص نے کہا۔ "اُن نجومیوں کا سردار جنھوں

نے تمہارے پیدا ہونے پر تمہاری قسمت کا حساب لگایا تھا۔ کہو! یہ حساب غَلَط تو نہیں نکلا؟"

"نہیں۔"

"قدرت کی مہربانی سے بجرنگ کا حساب کبھی غَلَط نہیں ہوا۔" یہ کہتے ہوئے بجرنگ نے اُوشا اور ہیلن کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نظریں ہیلن کے چہرے پر گڑ گئیں۔ وہ بولا۔ "اِس لڑکی کا ناک نقشہ اور رنگ روپ بتا رہا ہے کہ یہ اِس دھرتی کی رہنے والی نہیں۔ کیا یہ پچھّم کی راج کماری ہے؟"

"یہ سلیوکس کی بیٹی ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ سلیوکس جو کبھی سکندر کا جرنیل ہوا کرتا تھا اور اب سندھ کے پار سے بابل تک کے علاقے کا بادشاہ ہے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" بجرنگ نے کہا۔ "اِس حساب سے یہ پچھّم کی راج کماری ہے۔ تُم ٹیکسلا کے راج کمار ہو۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ قدرت کی مہربانی سے بجرنگ کا حساب کبھی غلَط نہیں ہوا۔"

یہ کہہ کر اُس نے، کُٹیا سے اندر کی طرف رُخ کر کے، آواز دی! "مایا! او مایا! جلدی آؤ! تمہاری اُوشا آگئی ہے!"

کُٹیا کے اندر سے ایک عورت، باہر آئی۔ دیوانوں کی طرح کھُلے اور مٹّی سے اَٹے ہوئے بال، بدن پر چیتھڑے، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی، مُنہ کھلا ہوا۔ دروازے پر آتے ہی وہ پکاری:

"اُوشا! کہاں ہے، میری اُوشا؟"

بجرنگ نے ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر دیکھو! کیا میں

نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ تمہاری اُوشا ٹیکسلا کے راج کمار اور پچھّم کی ایک راج کُماری کے ساتھ ایک دِن یہاں آئے گی۔ یہ ٹیکسلا کا راج کُمار ہے، یہ پچھّم کی راج کُماری ہے اور وہ رہی تمہاری اُوشا!"

اور وہ دیوانی سی عورت جسے بجرنگ نے مایا کہہ کر بُلایا تھا، آگے بڑھی اور اُوشا سے لپٹ کے دیوانوں کی طرح اُس کا مُنہ چومنے لگی۔

"اُوشا! اُوشا! میری بچّی! میری بچّی!"

یہ ماجرا بڑا حیران کُن تھا۔ میرے اور ہیلن کے لیے ہی نہیں اُوشا کے لیے بھی۔ اُوشا حیرانی اور اُلجھن کے ساتھ مایا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور مایا تھی کہ دیوانوں کی طرح لپٹی اُس کا مُنہ چُومے جا رہی تھی۔

"اُوشا! میری بیٹی! میری بچّی!"

اُوشا خاموش تھی۔ مایا نے اُس کی خاموشی بھانپ لی۔ وہ یکایک اُس سے الگ ہو گئی اور اُس کی طرف گھورتے ہوئے بولی۔

"تُو کیسی بیٹی ہے جو اپنی ماں کو بھی نہیں پہچانتی! جب تیرے باپ نے تُجھے میری گود سے چھین کر سندھ کی لہروں میں ڈال دیا تھا تو میں بھی تیرے پیچھے اُسی دریا میں کود گئی تھی۔"

وہ واقعی اُوشا کی ماں تھی۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کی جدائی کا زخم سینے پر لیے اُس نے دریا میں چھلانگ لگا دی تھی، لیکن دریا کی لہروں نے اُسے بیسیوں کوس دُور کنارے پر لا پھینکا تھا۔ تب سے وہ دیوانوں کی طرح اپنی بیٹی کو تلاش کرتی رہی تھی۔ تقدیر کا ہاتھ اُسے ٹیکسلا میں نجومیوں کے سردار بجرنگ تک لے گیا تھا اور وہ ٹیکسلا کے اُجڑنے کے بعد مایا کو اپنی بہن بنا کر اِس ندی کے کنارے لے آیا تھا۔ مایا کو اُس نے بتا رکھا تھا کہ اُوشا ایک

دِن ٹیکسلا کے راج کُمار اور پچھّم کی راج کُماری کے ساتھ اِس جگہ آئے گی۔ تب سے وہ دِن رات انتظار کر رہے تھے اور اب اُوشا ٹیکسلا کے راج کُمار انوشا اور پچھّم کی راج کُماری ہیلن کے ساتھ اُس جگہ آ پہنچی تھی۔ بیٹی اپنی ماں تک آ پہنچی تھی!

اُوشا کی حالت عجیب تھی۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک اُس نے ایک بار بھی اپنی ماں کے بارے میں نہ سوچا تھا۔ اُس باپ کے پاؤں چھونے کی خواہش تو اُس کے دِل میں پیدا ہوئی تھی جس نے اُسے پیدا ہوتے ہی دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا تھا، مگر اُس ماں کا اُسے کبھی خیال ہی نہ آیا تھا جس نے اُس کے پیچھے ہی دریا میں چھلانگ لگا دی تھی اور پھر اپنی بیٹی کی تلاش میں دردر ماری ماری پھرتی رہی تھی۔

کتنی حیرانی کی بات تھی کہ میری ماں نے یا میرے ماموں نے مُجھ سے کبھی

اِس بات کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ میں نے پشکلاوتی میں اپنی زندگی کے دس سال گزارے تھے مگر مُجھے یہ بالکل معلوم نہ ہو سکا تھا کہ میرے ماموں کے ہاں ایک لڑکی ہوئی تھی جسے پیدا ہوتے ہی دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا گیا تھا اور مامتا کی ماری اُس کی ماں نے بھی اس کے مُجھے ہی دریا میں چھلانگ لگا دی تھی۔ قدرت کے کھیل کیسے عجیب ہیں! وہ باپ جس نے اُوشا کو دریا کی لہروں کے حوالے کیا تھا، اب دوسری دُنیا میں پہنچ چکا تھا۔ اور وہ ماں جس نے اپنی بیٹی کے ساتھ دریا میں چھلانگ لگا دی تھی، اُوشا کے سامنے کھڑی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی۔

"تُو کیسی بیٹی ہے جو اپنی ماں کو بھی نہیں پہچانتی!"

آخر مامتا نے ہر حیرانی، ہر اُلجھن کو ختم کر دیا اور اُوشا "ماں! ماں!" کہتے ہوئے مایا سے لپٹ گئی۔

ماں بیٹی کا یہ انوکھا ملاپ قدرت کا انوکھا کھیل تھا۔ ہماری آنکھوں میں آنسو آ گئے، اِس کے ساتھ ہی بجرنگ کی آواز آئی :

"لو مایا بہن! میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔"

بجرنگ کا بیٹا

بجرنگ نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا مگر ہمارا فرض ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ ہم ہیلن کو لے کر جلد سے جلد واپس ہونا چاہتے تھے۔ مگر قُدرت کی جِن اَن جانی اَن دیکھی طاقتوں نے ہمیں پشکلاوتی سے ٹیکسلا کے راستے پر ڈال دیا تھا، اب اُنھوں نے ہماری مُہار بجرنگ اور مایا کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔ چنانچہ جب ہم نے جانے کی بات کی تو بجرنگ نے کہا :

"ابھی رُک جائیے، انوشا جی۔ میں تو اپنا فرض پورا کر چُکا ہوں مگر آپ کو

ابھی اپنا فرض پورا کرنا ہے۔"

"حُکم کیجئے بجرنگ جی۔" میں نے کہا۔ "ہم آپ کے نوکر ہیں۔"

"میں حُکم کرنے والا کون ہوتا ہوں۔" بجرنگ نے کہا۔ "یہاں تو دیوتاؤں کا حُکم چلتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قُدرت نے کسی کو کوئی طاقت بخشی ہے اور کسی کو کوئی طاقت۔ جو کُچھ آپ کر سکتے ہیں وہ میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن جو میں دیکھتا ہوں وہ آپ نہیں دیکھ سکتے۔ اِسی لیے میں نے کہا ہے کہ آپ کو ابھی اپنا فرض پورا کرنا ہے۔"

ہم وہیں رُک گئے اور پھر تیسرے دِن ہمیں وہ کُچھ دِکھائی دیا جس کی طرف بجرنگ نے اشارہ کیا تھا۔ یہ ایک سپیرے کی لاش تھی۔ یہ سپیرا اُن چار سپیروں میں سے ایک تھا جو ایک باریک سا سانپ لے کر میرے مُقابلے

میں آیا تھا، جس کی لمبائی مشکل سے ایک ہاتھ تھی۔ اُس سانپ نے میری زبان پر ڈسا تھا اور اِس کے بعد وہ سانپ پہلے بے ہوش سا ہوا تھا۔ پھر اُس کا جسم غُبارے کی طرح بھولنے لگا تھا۔ اور ذرا سی دیر بعد پھول کر کُپّا ہو گیا تھا۔ سپیرے نے جب گھبرا کر اُسے نیچے پھینک دیا تھا تو زمین پر گِرتے ہی وہ ایک دھماکے سے پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اور اب اُس سپیرے کی لاش میرے سامنے تھی۔ یہ لاش بجرنگ نے ندی سے نکالی تھی۔ لاش کو ندی سے نکال کر اُس نے میرے سامنے رکھا اور کہنے لگا :

"انوشا جی، یہ میرا وہ بیٹا ہے جو ایک مدّت سے بچھڑا ہوا تھا۔ میں نے اُوشا کو اُس کی ماں سے ملا دیا ہے۔ اب بیٹے کو باپ سے ملانا آپ کا کام ہے۔"

میں نے لاش کو دیکھا۔ پانی بھرنے سے وہ پھول گئی تھی۔ اور اُس کی رنگت سر سے پیر تک، نیلی ہو چُکی تھی۔ شاید یہ سپیرا کوئی سانپ پکڑنے

کی کوشش میں اِس سانپ کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تھا اور پھر مرتے مرتے لڑکھڑا کر ندی میں گر پڑا تھا۔ ندی کا بہتا ہوا پانی اُسے بجرنگ تک لے آیا تھا اور بجرنگ نے اُسے پانی سے نکال کر میرے سامنے رکھ دیا تھا اور میں حیران پریشان سا سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ یہ ایسا معاملہ تھا جو اِس سے پہلے کہیں بھی میرے ساتھ پیش نہیں آیا تھا اور پھر یہاں سارنگ بابا بھی نہیں تھے جو میری رہنمائی کر سکتے۔

پھر جیسے میرے کان میں کسی نے سرگوشی کی۔

انوشا! کیا تُم بھوں گئے ہو کہ تُم کیا کُچھ ہو اور سارنگ بابا نے تمہیں کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ تُم سُنہری ناگ کا مَن دُودھ میں گھول کر پی چکے ہو۔ راجا ناگ سین کے بھائی نے تمہیں اپنی زبان دی ہے۔ کیسر ناگ کا آدھا جسم تمہارے جسم کا حصّہ بن چُکا ہے۔ آگ، پانی، ہوا اور مٹّی تمہارا حُکم مانتے

ہیں، اور کیا چاہتے ہو؟"

یہ شاید میرے دِل کی آواز تھی، یا شاید میرے گلے میں جھولتے ہوئے شانی نے یہ بات کہی تھی۔ میں نے شانی سے کہا:

"شانی! جاؤ اور اُس سانپ کو لے کر آؤ، جس نے اِس سپیرے کو ڈسا ہے۔" شانی میرے گلے میں سے اُترا اور تیزی کے ساتھ رینگتے ہوئے قریبی جنگل میں غائب ہو گیا۔

اب میں نے سپیرے کی لاش کو اوندھا لِٹا کر اُس کے بدن پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ میرے ہاتھوں کی حرکت پیروں سے سر کی طرف تھی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاش اپنی اصلی حالت پر آ گئی۔ مگر اُس کی رنگت سر سے پاؤں تک اُسی طرح نیلی کی نیلی تھی۔ میں نے دوبارہ اُسے چِت لِٹا دیا۔

شانی جنگل سے واپس آیا تو اُس نے ایک کالے سیاہ ناگ کو گردن سے دبوچ رکھا تھا۔ یہ کوئی پانچ ہاتھ لمبا سانپ تھا۔ شانی اُسے گھسیٹتے ہوئے میرے قدموں میں لے آیا۔ میں نے غصّے بھری نظروں سے اُس سانپ کی طرف دیکھا اور کہا :

"کیا تُو ہی وہ ناگ ہے جس نے اِس سپیرے کو ڈسا ہے ؟"

اس کے جواب میں سانپ کی ہلکی ہلکی سی شُوں شُوں کی آواز آئی۔ وہ کہہ رہا تھا، یہ میری زندگی کا سوال تھا۔ اگر میں اِسے نہ ڈستا تو یہ مُجھے پکڑلیتا۔ یہ اِس سے پہلے نہ جانے میرے کتنے بھائی بندوں کو پکڑچکا ہے۔"

میں نے کہا "اگر تُو اپنی زندگی چاہتا ہے تو فوراً اِس کے جسم سے اپنا زہر واپس نکال لے، ورنہ میں شانی کو حُکم دُوں گا اور وہ تُجھے ابھی جلا کر بھسم کر

دے گا۔"

سانپ میرا حُکم سُن کر لاش کی طرف جانے لگا۔ شانی بدستور اُسے گردن سے دبوچے ہوئے تھا۔ میرے اشارے پر شانی نے اُسے چھوڑ دیا اور اُس نے لاش کی بائیں پنڈلی پر اُس جگہ اپنا مُنہ لگا دیا جہاں اُس نے ڈسا تھا۔ اُس نے زہر چوسنا شروع کیا اور اِس کے ساتھ ہی میں نے بین بجانی شروع کر دی۔ یہ مہا تالی تھی۔

مہا تالی نے یہاں وہی اثر دِکھایا جو پہلے کئی بار دِکھا چکی تھی۔ اِس کے اثر سے سانپ کا سارا زہر لاش سے کھِنچ کھِنچ کر سانپ کے جسم میں واپس پہنچنے لگا۔ جیسے جیسے لاش سے زہر نکلتا گیا۔ اُس کی نیلاہٹ کم ہوتی گئی، اور پھر کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گئی۔

جب وہ سانپ لاش سے سارا زہر واپس چوس چُکا تو لاش کے پاس سے ہٹا اور مُجھ سے دو قدم کے فاصلے پر کُنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اب کیا حُکم ہے؟"

"تُو نے اِس سپیرے کی جان لے کر ایک بُوڑھے باپ کے بڑھاپے کی لاٹھی چھین لی ہے۔ تو اگر چاہے تو قدرت تُجھے اِس ظلم کی تلافی کرنے کا موقع دے سکتی ہے۔ تو نے اِس کی جان لی ہے۔ بتا، کیا تُو اِس کے لیے اپنی جان دے سکتا ہے؟"

"میں آپ کی بات نہیں سمجھا؟"

"یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ سپیرا مر چکا ہے، لیکن تُو زندہ ہے۔ تُو اگر چاہے تو تیری جان اُس کے جسم میں جا سکتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں سانپ سے آدمی بن سکتا ہوں؟"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "ہم یہ چاہتے ہیں کہ تُو اِس سپیرے کے جسم میں اگر ایک سچّے اور فرماں بردار بیٹے کی طرح بجرنگ کی خدمت کرے۔ ہم یہ کام اپنی مرضی سے بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ قدرت نے مُجھے جو ایک نیک کام کرنے کا موقع دیا ہے، تُو اُس سے فائدہ اٹھائے۔"

"مجھے منظور ہے، مُجھے منظور ہے۔" سانپ نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "ابھی اِس کا بندوبست ہوا جاتا ہے۔"

"میں نے ندی کی تہہ سے کالی سیاہ کیچڑ نکالی اور اُس کے اندر اپنا تھوک ملا دیا۔ پھر سپیرے کے سینے اور پیٹ پر اِس کیچڑ کا لیپ کر دیا۔ لیپ ذرا سوکھ گیا تو میں نے سانپ سے کہا:

"آؤ، اور اِس کے مُنہ پر مُنہ رکھ کر لیٹ جاؤ!"

سانپ نے فوراً میرے حُکم کی تعمیل کی اور سپیرے کے مُنہ پر مُنہ رکھ کر لیٹ گیا، پھر میں نے شانی کو اُوشا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا :

"لو اُوشا! اِسے تُم سنبھالو اور میں بین بجاتا ہوں۔ تمہیں کانگ مار کی ناگن تو یاد ہوگی؟"

"ہاں یاد ہے۔ بڑی اچھّی طرح یاد ہے؟"

"تو بس تمہیں یہاں وہی کُچھ کرنا ہے جو وہاں سارنگ بابا نے کیا تھا۔"

اُوشا نے شانی کو گردن سے تھام لیا اور میں نے بین پر شانی والی دُھن بجانی شروع کی۔ میں بین بجاتا رہا اور شانی اُوشا کے ہاتھ میں بے چینی سے بَل کھاتا رہا۔ جیسے جیسے بین کی لَے تیز ہوتی گئی، شانی کی بے چینی بڑھتی گئی۔

اُوشا نے بالکل سارنگ بابا کی طرح شانی کو ایک ہاتھ سے تھام رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ وہ اُس سانپ کے جسم پر پھیر رہی تھی جو سپیرے کی لاش کے مُنہ پر مُنہ رکھے لیٹا تھا۔ وہ اُس کی دُم سے شروع ہو کر اُس کے مُنہ کی طرف ہاتھ پھیرتی جاتی تھی۔ بالکل سارنگ بابا کی طرح وہ بھی مُنہ ہی مُنہ میں کوئی منتر پڑھ رہی تھی۔

پھر میں نے اُوشا کو اشارہ کیا اور اس نے شانی کی گردن چھوڑتے ہوئے اُس کا مُنہ سانپ کی دُم کے قریب کر دیا۔ آگ کا ایک شُعلہ سا لپکا۔ شانی کی پھنکار کی آواز گونجی اور اِس کے ساتھ ہی سانپ کی دُم کسی خُشک لکڑی کی طرح جل اُٹھی۔ اُوشا نے شانی کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور سانپ کے مُنہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تاکہ وہ سپیرے کی لاش کے مُنہ پر مضبوطی سے جما رہے۔ میں بدستور بین بجائے جا رہا تھا۔ سانپ کا جلتا ہوا جسم کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا

اور اُس کے جسم کی آگ سپیرے کی لاش پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھی۔

پھر جب آگ سانپ کے منہ تک پہنچی تو میں نے بین ہونٹوں سے ہٹائی اور ذرا غور سے سپیرے کی لاش کی طرف دیکھا۔ سانپ دُم سے مُنہ تک جل کر راکھ ہو چُکا تھا اور ایک جلی ہوئی رسّی کی صورت میں لاش کے سینے پہ پڑا دِکھائی دیتا تھا۔

میں نے سانپ کی اِس راکھ کو بڑی احتیاط سے سمیٹ کر ایک پوٹلی میں باندھ لیا۔ پھر ندی سے پانی کا ایک گھڑا لے کر اُسے سپیرے کی لاش پر اُنڈیل دیا۔ پانی کا انڈیلنا تھا کہ قدرت نے وہی رنگ دِکھایا جو ہم اِس سے پہلے بانکے مُرلی والے اور راج کُماری چندرا کے معاملے میں دیکھ چکے تھے۔ بانکے مُرلی والے اور راج کُماری چندرا کی طرح سپیرا بھی جھرجھری لیتے ہوئے یُوں اُٹھ بیٹھا جیسے گہری بے ہوشی سے ہوش میں آیا ہو، یا ایک

لمبی نیند کے بعد جاگا ہو۔

سپیرے کو یُوں اُٹھتے دیکھ کر بجرنگ، ہیلن اور مایا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُن کے لیے یہ ایک ایسا تماشا تھا جسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ بجرنگ کا وہ بیٹا جسے جنگل میں سانپ نے ڈس لیا تھا، جِس کی پھُولی ہوئی لاش اُس نے ندی سے نکالی تھی، وہ اب پھر سے زندہ ہو گیا تھا۔

میں نے بجرنگ سے کہا۔ "لیجیے، ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ سنبھالیے اپنے بیٹے کو اور اطمینان رکھیے کہ اب وہ سپیرا بن کر جنگل جنگل نہیں گھومے گا بلکہ آپ کے قدموں میں رہ کر آپ کی خدمت کرے گا۔

بجرنگ نے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ وہ ایک ایسا باپ تھا جسے دُنیا کا سب سے انوکھا بیٹا ملا تھا۔ وہ یُوں کہ اُس کے بیٹے کا صرف جسم ہی اپنا تھا۔ اُس جسم میں جو جان تھی، وہ اُس کی اپنی نہیں، اُس کالے ناگ کی تھی جس نے اُسے ڈسا تھا۔

اشواکوں کی بیٹی

بجرنگ کے سِلسلے میں تو ہمارا فرض پورا ہو چکا تھا مگر ابھی ہم ہیلن کو واپس نہیں لے جا سکتے تھے، اس لیے کہ بجرنگ کے بعد اب ہماری مُہار قُدرت کی اَن جانی اَن دیکھی طاقتوں نے اُوشا کی ماں مایا کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔ اور مایا جس کی ایک مدّت کی سوکھی کھیتی سر سبز ہو گئی تھی اور جس نے قُدرت کی مہربانی سے اپنے جگر کے ٹکڑے کو پھر سے پا لیا تھا۔ اپنی اس انمول خوشی میں اپنے ماں باپ کو شریک کرنا چاہتی تھی۔

مراس بے چاری کو یہ معلوم نہ تھا کہ اِس عرصے میں اُس کے ماں باپ پر کیا کُچھ بیت چکی ہے۔ اُس کا باپ اشواک قبیلے کا سردار تھا اور سکندر نے بہت دِنوں تک اِس قبیلے کے سب سے مضبوط قلعے مساگا کا محاصرہ کیے رکھا تھا۔ یہ محاصرہ اُس وقت ختم ہوا تھا جب سردار اتّفاقی طور پر ایک تیر سے زخمی ہو کر مر گیا تھا۔ سکندر نے قبیلے کے سات ہزار جوانوں کو یہ ضمانت دی تھی کہ اگر وہ قلعے کو خالی کر کے چلے جائیں تو اُنہیں کُچھ نہیں کہا جائے گا۔ قبیلے کے جوانوں نے سکندر کے قول پر اعتبار کرتے ہوئے قلعہ خالی کر دیا تھا۔ لیکن جب وہ قلعہ خالی کر کے کُچھ دور گئے تو سکندر اور اُس کے سپاہی اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن میں سے ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ صرف یہی نہیں، سکندر نے اشواکوں کے علاقے کے چھوٹے بڑے تمام قلعے مسمار کر اڈالے اور ان کے شہروں اور بستیوں کو

جی بھر کے لوٹنے کے بعد پھر دریائے سندھ کی طرف بڑھا تھا جہاں دریا کے دوسرے کنارے پر راجا امبھی کے پھیلے ہوئے سنہری جھُولوں والے میں ہاتھی چاندی کے توڑوں سے لدی ہوئی گاڑیاں اور بے شمار قیمتی تھے اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

مایا جاتی تو کس کے پاس جاتی؟ سکندر نے تو کٹک قبیلے کی طرح اشواک قبیلے کا بھی نام و نشان مٹا کر رکھ دیا تھا۔

"مامی!" میں نے مایا سے کہا۔ "میری مامی! اب تم وہاں کس کے پاس جاؤ گی۔ اب تو وہاں نہ کوئی کٹک باقی رہا ہے اور نہ اشواک۔ مساگا کا قلعہ مٹّی کا ڈھیر بن گیا ہے۔ پشکلاوتی کے کھنڈروں میں جنگل اُگ آیا ہے۔ شیش ناگ کا مندر ویران ہو چکا ہے۔ اب تو وہاں ہر طرف تباہی کا راج ہے۔" بجرنگ نے میری بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مایا بہن! میں تمہیں

یہاں لایا تھا تاکہ تُم اپنی بیٹی سے مل سکو۔ اب اگر تم اپنے کسی بھائی بند سے ملنا چاہتی ہو تو اپنی بیٹی اُوشا اور اپنے بھانجے انوشا کے ساتھ جہلم کے پار جاؤ۔ یہاں تمہیں کوئی اشواک نہیں ملے گا۔"

بجرنگ کے یہ الفاظ مایا کے لیے جیسے پتھرّ کی لکیر تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک حیرت بھری نظروں سے ہماری طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے اپنا ایک ہاتھ اُوشا کے کندھے پر اور دوسرا میرے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا:

"تو چلو بچّو! جہلم کے پار چلو!"

اور ہم بجرنگ اور اُس کے بیٹے سے رُخصت ہو کر ہیلن اور مایا کے ساتھ واپس چل دیے۔

جنگلوں، ندی نالوں، دلدلوں اور ٹیڑھے میڑھے پہاڑی راستوں سے

گُزرتے ہوئے ہم اِسی انداز میں راجا پورس والے محل میں پہنچے جس انداز میں کبھی میں اُوشا کو لے کر وہاں گیا تھا۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت میں اور اُوشا پیلن اور مایا کو ساتھ لیے اُس مہمان خانے میں پہنچے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے اور جہاں چندر گُپت ہیلن کے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔ دروازے پر پہنچتے ہی سارنگ بابا کی آواز میرے کان میں پڑی۔ "لو شیش ناگ کے بیٹے! تمہاری ہیلن آ گئی ہے۔

سارنگ بابا کے اِن الفاظ کے ساتھ میں اور اُوشا یوں چونکے جیسے ایک گہرے خواب سے جاگے ہوں۔ ہمیں پشکلاوتی جانے اور پھر وہاں سے واپسی میں نہ جانے کتنے دِن لگے تھے، مگر یہاں وقت اُسی طرح ٹھہرا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہم پلک جھپکتے میں ہیلن اور مایا کو لے آئے ہوں۔

چندر گُپت نے ہیلن کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر میرے ہاتھ تھام

لیے۔

"انوشا جی! آپ نے مُجھے بہت بڑی شرمندگی سے بچا لیا ہے۔"

سارنگ بابا بھی کسی قدر حیرانی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ میری، اُوشا یا ہیلن کی طرف نہیں بلکہ مایا کی طرف اور مایا بھی سارنگ بابا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ عورت کون ہے؟" سارنگ بابا نے پُوچھا۔

"میری ماں ہے مہاراج۔" اُوشا نے جواب دیا۔

سارنگ بابا نے کُچھ جواب نہ دیا۔ وہ اِسی طرح مایا کی طرف دیکھتے رہے۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں کھو گئے ہیں۔ جیسے کُچھ پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اتنے میں محل میں ہیلن کے مل جانے کا شور مچ چکا تھا۔ سلیوکس اور اپامی بھاگے بھاگے آئے اور سارنگ بابا کا شُکریہ ادا کرتے ہوئے ہیلن کو ساتھ لے گئے۔ چندر گُپت بھی سلیوکس کے ساتھ ہی واپس چلا گیا۔

سارنگ بابا اب بھی کسی سوچ میں کھوئے ہوئے دِکھائی دے رہے تھے۔

"تو یہ عورت تمہاری ماں ہے؟" اُنہوں نے اُوشا سے پُوچھا۔

"ہاں مہاراج!" اُوشا نے جواب دیا۔ "جب میرے باپ نے مُجھے دریا کی لہروں کے حوالے کیا تو اُس مامتا کی ماری نے بھی میرے پیچھے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ قسمت مُجھے کہیں لے گئی اور میری ماں کو کہیں۔ یہ بھی تقدیر کے کھیل ہیں، مہاراج۔ نہ ہیلن گُم ہوتی، نہ آپ مُجھے اور انوشا کو اِس کی تلاش کے لیے بھیجتے اور نہ مُجھے اپنی ماں سے ملنا نصیب ہوتا۔"

"تقدیر کے کھیل ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، بیٹی۔" سارنگ بابا نے کہا۔ "آدمی تقدیر کے ہاتھ میں ایک بے بس کھلونے کی طرح ہے۔"

یہ کہہ وہ کُچھ سوچنے لگے، مگر سوچ میں کھوئے ہونے کے باوجود وہ مایا کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتے رہے۔ پھر یکایک اُنہوں نے مایا سے پُوچھا: "کیا تُم اشواکوں کی بیٹی ہو؟"

"ہاں مہاراج۔" مایا نے پہلی بار زبان کھولی۔ "میرا باپ اشواکوں کا سردار تھا، جو مساگا قلعے کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ سکندر نے، اِس لڑائی کے بعد، میرے قبیلے کے سات ہزار جوانوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔"

"ہُوں!" سارنگ بابا نے کہا اور پھر ایک گہری سوچ میں غوطہ مار گئے۔

اچانک مُجھے کُچھ یاد آ گیا۔ میں نے اپنی جیب سے سانپ کی راکھ کی پوٹلی

نکالی اور اُن کی طرف بڑھا دی۔

"کیا ہے؟" سارنگ بابا بولے۔

"بانکے مُرلی والے اور چندرا ناگن کا سا ایک معاملہ پیش آ گیا تھا۔ قدرت کی اَن دیکھی اَن جانی طاقتوں نے ایک طرف تو یہ سامان کیا تھا کہ اُوشا کو اپنی ماں مل جائے۔ دوسری طرف یہ بندوبست کیا تھا کہ اس طرح بجرنگ کو اپنا بیٹا مل جائے۔ یہ اُسی سانپ کے جسم کی راکھ ہے جس کی جان ہم نے بجرنگ مہاراج کے بیٹے کے جسم میں ڈالی تھی۔ آپ تو یہاں تھے۔ آپ کا کام اُوشا کو کرنا پڑا۔ بجرنگ کے سامنے ہماری عزّت رہ گئی۔"

سارنگ بابا پوٹلی لے کر ہاتھ میں اُلٹتے پلٹتے رہے، پھر مُسکراتے ہوئے کہنے لگے:

"کیا تُم بھی یہی سمجھتے ہو کہ میں یہیں تھا؟ کیا تُم سارنگ بابا سے یہ آس رکھتے ہو کہ وہ اڑے وقت میں اپنے بچّوں کا ساتھ چھوڑ دے گا؟"

یہ سُن کر میرا مُنہ حیرانی سے کھل گیا۔ "تو کیا۔۔۔۔۔۔۔۔"

سارنگ بابا مُسکرا کر بولے۔ "انوشا بیٹے! جب تُم مہا تالی بجا رہے تھے تو میرا ہاتھ اُوشا کا ہاتھ بن کر سانپ کے جسم پر پھر رہا تھا۔ ہونٹ اُوشا کے ہل رہے تھے لیکن منتر میں پڑھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔"

پھر یکایک وہ خاموش ہو کر دوبارہ مایا کی طرف دیکھنے لگے اور ایک بار پھر کسی گہری سوچ میں کھو گئے۔

شیش ناگ کی امانت

ہیلن کی واپسی کے ساتھ ہی دونوں طرف شادی کی تیّاریاں ہونے لگیں۔

جنگ اور شادی راجاؤں کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ ایسا اکثر ہوتا آیا تھا۔ کہیں جنگ کے نتیجے میں شادی ہوتی تھی اور کہیں شادی کا نتیجہ جنگ کی صورت میں نکلتا تھا۔ کبھی دُشمنی ختم کرنے کے لیے شادی کا ڈول ڈالا جاتا تھا اور کبھی اپنی طاقت بڑھانے کے لیے رشتے ناتے کا سہارا لیا جاتا تھا۔

خود شیش ناگ خاندان کی تاریخ میں اس کی مثالیں موجود تھیں۔ اس خاندان

کے سب سے طاقت ور راجا بمبی سار نے کوشل کے راجا کی بیٹی سے شادی کر کے کاشی کا علاقہ جہیز کے طور پر حاصل کیا تھا اور اس طرح اپنی ریاست کی مغربی سرحدی کی طرف سے اطمینان کر کے مشرق کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں انگہ ، بنگہ ، پنڈر اور سوہما کو فتح کر کے اپنی ریاست میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے ایک اور شادی ریاست ویسالی کے لچھوی خاندان کے راجا کی بیٹی سے کی اور اس طرح اپنی شمالی سرحدوں کو بھی محفوظ کر لیا۔

پھر جب بمبی سار کے بیٹے اجاتا شترُو نے ریاست کوسمبی پر حملہ کیا تھا تو ریاست آونتی کا راجا چنڈا مہاسین کوسمبی کی امداد کے لیے میدان میں آ گیا تھا کیونکہ کوسمبی کا راجا اُودے یان آونتی کے راجا چنڈا مہاسین کا داماد تھا۔

پھر اجاتا شترُو کے بیٹے درا شک نے اپنی بہن پدماوتی کی شادی کوسمبی کے

راجا اُودے یان کے ساتھ کر کے صُلح کر لی تھی اور اجاتا شترُو نے کو سمبی کے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، وہ بھی واپس کر دیے تھے۔

خود سکندر نے ایک باختری سردار کو شکست دے کر اس کی بیٹی رُخسانہ کو اپنی پہلی بیوی بنایا تھا۔ پھر اُس نے بادشاہ دارا کی بڑی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے اُسے دوسری بیوی بنا لیا تھا اور دارا کی چھوٹی لڑکی کی شادی اپنے ایک سالار سے کر دی تھی۔ اور تو اور سلیوکس نے بھی سکندر کے حُکم پر سغدیانہ کے سردار اور سکندر کے ایک دلیر دُشمن سپٹاما کی بیٹی اپامی سے شادی کی تھی۔

اب تاریخ ایک نئے رنگ میں اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ پچھّم کے بادشاہ اور سکندر کے جانشین سلیوکس نے اپنی بیٹی ہیلن کا ہاتھ اُس چندر گُپت کے ہاتھ میں دے دیا تھا جو کبھی ایک بھکاری کی طرح سکندر کے

سامنے پیش ہوا تھا۔ پورس کے محل کے وہ در و دیوار جنھوں نے کبھی سکندر کی عظمت اور دبدبے کا تماشا کیا تھا، اب سکندر کے جانشین سلیوکس کی شکست اور ذلّت کا تماشا کر رہے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ جس طرح سکندر نے پورس کی غیرت اور دلیری سے متاثر ہو کر اُس کی شکست پر دوستی کا پردہ ڈال دیا تھا، اِسی طرح شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت نے سلیوکس کو شکست دینے کے بعد اُسے اپنا دوست بنا لیا تھا اور اِسی محل میں ٹھہرایا تھا جہاں کبھی سلیوکس کا آقا سکندر پورس کا مہمان رہ چکا تھا۔

ہیلن پر جو کُچھ گزری تھی اور جو کُچھ اُس نے دیکھا تھا، وہ ایسی بات نہ تھی جسے وہ اپنے تک رکھ سکتی۔ اس نے اپنی ماں سے کہا، ماں نے آگے بات چلائی، اور ہوتے ہوتے سلیوکس کے چھوٹے بڑے تمام افسروں اور سپاہیوں میں اِس کا چرچا ہونے لگا۔ مگر خود سلیوکس کو اِس بات پر کوئی

حیرانی نہ تھی۔ شاید اِس لیے کہ اِس سے بہت پہلے اُس نے سکندر کے قریب بیٹھ کر ٹیکسلا کے میدان میں وہ خوفناک مُقابلہ دیکھا تھا جو میرے اور پانچ سپیروں کے درمیان ہوا تھا اور جس کے بعد سکندر نے سارنگ بابا سے کہا تھا۔

"سارنگ بابا تمہارے اور انوشا کے پاس وہ دولت ہے جو میرے پاس بھی نہیں۔ تمہارے پاس وہ عِلم ہے جو میرے استاد ارسطو کے پاس بھی نہیں، مقدونیہ سے لے کر یہاں تک کی تمام دولت، تمام سونا چاندی اور خزانے مل کر بھی تمہارا انعام نہیں ہو سکتے۔"

مگر ہیلن اور اپامی کی باتوں نے تو ہمیں لوگوں کی نظروں میں کُچھ سے کُچھ بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ طرح طرح کے دکھوں اور قسم قسم کی بیماریوں کے علاج کے لیے ہمارے پاس آنے لگے اور شاہی مہمان خانے میں بالکل ویسا

ہی میلا سا لگا رہنے لگا جیسا ہم نے جگ موہن رِشی کی کُٹیا کے باہر دیکھا تھا۔ یہ ہمارے لیے ایک نئی بات ضرور تھی مگر سارنگ بابا کسی کا دِل توڑنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے جو کوئی بھی آتا تھا، اس کے حال پر کُچھ نہ کُچھ توجّہ ضرور کرتے تھے۔

پھر ایک رات اپامی اور ہیلن، ماں اور بیٹی، دونوں ہمارے پاس آئیں۔ اپامی نے سارنگ بابا سے کہا۔

"باباجی، میں کُچھ عرض کرنے آئی ہوں۔"

نہ جانے کیسے اپامی کے اِن الفاظ سے میرا دھیان اُس منظر کی طرف چلا گیا جب ہم سکندر کے دوست کی حیثیت سے راجا امبھی کے محل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ایک رات راجا امبھی نے دروازے میں کھڑے ہو کر اور

ہاتھ جوڑتے ہوئے سارنگ بابا سے کہا تھا :

"سارنگ بابا میں کُچھ عرض کرنے آیا ہوں۔"

راجا امبھی کو تو سارنگ بابا نے یہ جواب دیا تھا کہ ہمارے بیٹے سے بات کرو، مگر اپامی سے اُنھوں نے ایسا نہیں کہا۔ اِس کے بجائے وہ بڑی نرمی سے بولے

"آؤ بیٹی، تمہیں کیا مُشکل پیش آگئی ہے؟"

"میں اپنی بیٹی کے بارے میں پریشان ہوں بابا۔" اپامی نے کہا۔

"کیا پریشانی ہے؟"

"ہیلن میری اکلوتی بیٹی ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، چند دِنوں میں اُس

کی شادی چندر گُپت سے ہونے والی ہے۔"

"یہ پریشانی کی بات تو نہیں، بیٹی۔" سارنگ بابا بولے۔ "تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری بیٹی چندر گُپت جیسے بادشاہ کی رانی بن رہی ہے۔"

"لیکن مہاراج، اُن کی دو رانیاں پہلے ہی ہیں۔ اُن کی بڑی رانی پردان کی بیٹی ہے۔ اُن کی دوسری رانی اُن کے باپ کے وزیر پرتامی کی بیٹی ہے۔ میں سوچتی ہُوں کہ اُن کی دو رانیوں کے ہوتے ہوئے میری بیٹی خوش رہ سکے گی؟ سکندر کی دو بیویاں تھیں۔ اُن پر جو کُچھ بیتی، وہ مُجھے معلوم ہے۔ سکندر کی پہلی بیوی رُخسانہ نے دوسری بیوی کو دھوکے سے اپنے پاس بُلا کر قتل کرا دیا تھا۔ اور پھر رُخسانہ کو کیسانڈر کے بیٹے نے ڈبو کر مار ڈالا تھا۔ میں ڈرتی ہوں کہیں میری بیٹی کا بھی ایسا ہی حال نہ ہو؟"

سارنگ بابا کہنے لگے۔ "تمہاری پریشانی بلاوجہ نہیں ہے بیٹی۔ راجاؤں کی ایک اپنی دُنیا ہوتی ہے۔ یہ وہ دُنیا ہے جہاں بھائی بھائی کا بیری ہوتا ہے۔ یہاں اپنی گردن بچانے کے لیے بھائی کا گلا کاٹنا پڑتا ہے۔ یہاں بیٹا باپ کو قتل کر کے اُس کی گدّی سنبھالتا ہے۔ راج محلوں میں دِن رات خُون کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ راج گدّی کالی دیوی کا وہ استھان ہے جس تک پہنچنے کے لیے خُون دینا پڑتا ہے۔ کبھی اپنا خُون اور کبھی دوسروں کا خُون۔ تُم خود سوچا کیا سلیوکس کو سکندر کا جانشین بننے کے لیے خُون کے دریا سے نہیں گزرنا پڑا؟"

"میں جانتی ہوں بابا جی۔" اپامی نے جواب دیا۔ "اور اِسی لیے پریشان ہوں اور سوچتی ہوں کہ میری بیٹی کو چندر گُپت کے محل میں جا کر آرام اور چین کی زندگی نصیب ہوگی یا نہیں!"

"تُم ایسا کیوں سوچتی ہو؟" سارنگ بابا نے کہا۔ "تمہیں اپنے خُون پر شک ہے یا ہیلن تمہاری اپنی بیٹی نہیں ہے؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا جی۔" اپامی نے کہا۔ "مُجھے اپنے خُون پر شک ہوتا تو میں یہاں نہ ہوتی، کہیں اور ہوتی۔ اور ہیلن میری اپنی بیٹی نہ ہوتی تو میں اُس کے لیے یوں فکر نہ کر رہی ہوتی۔ مُجھے تو وہی جذبہ یہاں لایا ہے جو ہر بیٹی کے لیے ماں کے دِل میں ہوتا ہے۔ میں یہاں ماں بن کر آئی ہوں۔"

سارنگ بابا نے فوری طور پر اپامی کی اِس بات کے جواب میں کُچھ نہیں کہا۔ وہ تھوڑی دیر کُچھ سوچتے رہے، پھر ہیلن سے مخاطب ہوئے۔

"تمہیں یاد ہو گا، ہیلن کہ تمہیں یہاں سے غائب ہونے کے بعد اُوشا اور

انوشا نے کہاں پایا تھا؟"

"پشکلاوتی کے مندر میں۔" ہیلن نے جواب دیا۔ "شیش ناگ کی مُورتی کے قدموں میں۔"

یہ سُن کر سارنگ بابا اپامی سے کہنے لگے :

"تمہاری بیٹی شیش ناگ کی پناہ میں آ چکی ہے۔ سکندر نے جب شوش میں اپنے افسروں اور سالاروں کی شادیاں کرائی تھیں تو لوگوں کو مختلف تحفے بھی دیے تھے۔ تمہیں یاد ہے اُس وقت سکندر نے تمہیں کیا تحفہ دیا تھا؟"

"سُرخ ہیرے۔" اپامی نے جواب دیا۔ "یہ ہیرے سکندر کو ٹیکسلا میں دیوتاؤں کی طرف سے پیش کیے گئے تھے۔"

سارنگ بابا کہنے لگے۔ "وہ ہیرے شیش ناگ کی امانت تھے جو ہم نے

شیش ناگ کے حُکم سے سکندر کے دامن میں ڈال دیے تھے، اس لیے کہ سکندر کی رگوں میں ناگ دیوتا کا خون تھا۔ وہ ہیرے اب کہاں ہیں؟"

"میرے پاس ہی ہیں۔" اپامی نے جواب دیا۔ "میں نے اُنہیں سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔" سارنگ بابا کُچھ دیر کے لیے خاموش رہے، پھر کہنے لگے۔

"سُنو! تُم اُن ہیروں کا ہار بنا کر اپنی بیٹی کے گلے میں ڈال دو۔ تمہاری بیٹی شیش ناگ کی پناہ میں ہے اور وہ ہیرے شیش ناگ کے ہیرے ہیں۔ جب تک وہ ہیرے تمہاری بیٹی کے پاس رہیں گے، کوئی اُس کا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔"

"میں ایسا ہی کروں گی بابا جی۔" اپامی نے کہا۔

اپامی ہیلن کو لے کر واپس چلی گئی۔ اُن کے جانے کے بعد سارنگ بابا کُچھ

دیر خاموش رہے، پھر کہنے لگے۔

"شاید قُدرت کو یہی منظور تھا کہ شیش ناگ کی امانت سکندر اور سلیوکس کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی، ہیلن کے ذریعے شیش ناگ کے بیٹے تک پہنچے۔ قدرت کے اِن بھیدوں کو کون سمجھ سکتا ہے؟"

"محل ہو یا جھونپڑی، ماں کا دِل ہر جگہ ماں کا دِل ہوتا ہے۔ اور اپنی اولاد کی بھلائی کے لیے سب کُچھ کرنے کو بے چین رہتا ہے، مائیں اولاد کے لیے اپنی جان وار دینے کو بھی تیّار رہتی ہیں، صرف اِس لیے کہ اُن کی اولاد سُکھی رہے۔ یہ اور بات ہے کہ دُکھ اور سُکھ اپنے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے۔"

اتنا کہہ کر سارنگ بابا پھر کسی سوچ میں کھو گئے۔

چندر گُپت اور ہیلن کی شادی

پھر ہیلن اور چندر گُپت کی شادی کا دِن آ پہنچا۔ راجا پورس کے محل نے ایسی سج دھج اور شان و شوکت خود پورس کی زندگی میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ تو صرف جہلم اور چناب کے درمیانی علاقے کا راجا تھا، مگر اب اُس کے محل میں دو ایسے آدمی اکٹھے ہو گئے تھے کہ اُن میں سے ایک پچھّم کا بادشاہ تھا تو دوسرا پُورب کا۔ ایک کی حکومت مغرب میں بابل تک تھی تو دوسرے کے نام کا ڈنکا مشرق میں سمندر کے پانیوں تک بجتا تھا اور اُن

دونوں نے اپنی اپنی بادشاہی کی شان و شوکت دِکھانے کے لیے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے تھے۔ سونا چاندی پانی کی طرح بہا دیا تھا۔

محل کے ایک حصّے میں بری کا وہ سامان رکھا تھا جو چندر گُپت نے ہیلن کے لیے تیّار کرایا تھا۔ بری کے سُرخ سُرخ اور جگمگاتے جوڑے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے آگ کا کوئی الاؤ ہو۔ اِن جوڑوں کو تیّار کرنے میں کاری گروں نے اپنی گری کے کمال دِکھائے تھے، بری کے اِن جوڑوں کے ساتھ جو زیورات رکھے گئے تھے، وہ بھی اپنا جواب آپ تھے۔ ہیرے، پنّے، نگ اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑاؤ کام نے اِن زیورات کی شان دوبالا کر دی تھی۔

محل کے اِس حصّے کے بالکل سامنے دوسرے حصّے میں ہیلن کے جہیز کا وہ سامان رکھا گیا تھا جو سلیوکس نے تیّار کرایا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سلیوکس

نے بابل سے لے کر سندھ ایک کے علاقوں کی تمام دولت اور تمام کاری گری اِس جہیز کے تیّار کرانے پر لگا دی ہے۔ ہر علاقے اور ہر ملک کی کاری گری کا بہترین نمونہ اِس جہیز میں موجود تھا۔ کپڑوں کے جوڑے زیورات، برتن، ہیرے جواہرات کسی بھی چیز پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔

شادی سے چند دِن پہلے محل کے اُن دونوں حصّوں کو رواج کے مطابق نمائش کے لیے کھول دیا گیا تھا تاکہ لوگ ہیلن کا بری اور جہیز کا سامان دیکھ سکیں۔ مردوں سے زیادہ عورتوں کو بری اور جہیز کا سامان دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ یہاں بھی اِس سامان کو دیکھنے والوں میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔ وہ حیران حیران نظروں سے اِس ٹھاٹھ دار اور شان دار جہیز کو دیکھتی تھیں اور پھر ہیلن کی قسمت پر رشک کرتی تھیں جو اِس قیمتی اور لاجواب سامان کی حق دار بننے والی تھی۔

شادی کے دِن سب سے پہلے قُربانیاں دی گئیں۔ سلیوکس کی طرف سے زیوس دیوتا کے نام پر اور چندر گُپت کی طرف سے شیش ناگ کے نام پر۔ پھر پروہتوں نے منتر پڑھتے ہوئے چندن کی لکڑی سے مُقدّس آگ روشن کی اور اُس پر گائے کے گھی کے چھینٹے دیے۔ پھر رواج کے مطابق چندر گُپت اور ہیلن نے آگے پیچھے چلتے ہوئے اُس مقدس آگ کے گرد سات پھیرے لگائے۔ اور یوں سلیوکس کی بیٹی ہیلن شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت موریہ کی تیسری رانی بن گئی۔ اس وقت ہیلن نے وہ ہار پہن رکھا تھا جو اُس کی ماں نے شیش ناگ کے سُرخ ہیروں سے بنوایا تھا۔

اس کے بعد تحفوں اور نذرانوں کا سِلسِلہ شروع ہوا۔ دونوں فوجوں کے افسروں، اور کمانداروں نے اپنی اپنی حیثیت سے کہیں بڑھ کر تحفے دیے اور دربار میں چندر گُپت اور ہیلن کے سامنے تحفوں کا ایک ڈھیر لگ گیا۔

پھر سلیوکس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اعلان کیا۔

"مُجھے معلوم ہے کہ یہاں کے راجا اپنی بیٹیوں کی شادی میں اپنے کُچھ علاقے بھی جہیز کے طور پر دیتے آئے ہیں۔ شیش ناگ خاندان کے پانچویں راجا بمبی سار نے جب کوشل کے راجا کی بیٹی سے شادی کی تھی تو کوشل کے راجا نے کاشی کا علاقہ اپنی بیٹی کو جہیز کے طور پر دیا تھا۔ میں مکران، قندہار، کابل اور ہرات کے علاقے اپنی بیٹی کو جہیز کے طور پر دیتا ہوں۔ آج سے یہ علاقے چندر گُپت موریہ کے ہوئے۔ پہلے ہمارے درمیان دریائے سندھ حد کا کام کی دیتا تھا، آج سے ہندوکش کے پہاڑی سِلسلے ہماری سلطنتوں کی درمیانی حد ہوں گے۔"

سلیوکس کے اِس اعلان کے جواب میں چندر گُپت اٹھا اور کہنے لگا :

"ہمیں معلوم ہے کہ سلیوکس کو ہاتھیوں سے شروع ہی سے دل چسپی رہی ہے اور اُس نے جنگی ہاتھیوں کو ہمیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اِس لیے ہم اپنی فوج کے پانچ سو بہترین جنگی ہاتھی سلیوکس کی نذر کرتے ہیں تاکہ وہ اُنہیں اپنے دُشمنوں کے خلاف استعمال کر سکے۔ ہم سلیوکس کے دُشمنوں کے خلاف ہر طرح کی امداد کا وعدہ بھی کرتے ہیں۔ جتنے بھی جنگی رَتھ درکار ہوں، ملیں گے۔ جتنے گھوڑوں کی ضرورت ہو، مہیّا ہوں گے۔ آج سے سلیوکس کی طاقت ہماری طاقت ہے اور ہماری طاقت سلیوکس کی طاقت ہے۔ آج سے سلیوکس کا دوست ہمارا دوست ہے اور سلیوکس کا دُشمن ہمارا دُشمن۔ آج ہمارے درمیان جو رشتہ قائم ہوا ہے، شیش ناگ کا بیٹا اُس کی لاج رکھے گا۔ یہ خُون ہمیشہ سُرخ رہے گا۔ کبھی سفید نہیں ہوگا۔"

اِس کے بعد سارنگ بابا اُٹھ کر چندر گُپت کے سامنے آئے اور کہنے لگے :

"شیش ناگ کے بیٹے! اب کہ تمہارے درمیان تحفوں کا لین دین پورا ہو چکا ہے، میں دیوتاؤں کی طرف سے ایک چھوٹا سا تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تحفہ کیا ہے اور اپنے اندر کیا اثر رکھتا ہے، یہ شیش ناگ کے بیٹے کو ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کوئی ایسا ہاتھی، گھوڑا یا کوئی اور جانور منگوایا جائے جو کسی کام کا نہ رہا ہو۔"

چندر گُپت نے چانکیہ کو اشارہ کیا اور اُس نے فوراً ایک ایسا ہاتھی منگوا دیا جو بہت بُوڑھا اور ناکارہ ہو چُکا تھا۔ کئی آدمی اُسے بڑی مُشکل سے دھکیلتے ہوئے دربار میں لائے۔ سارنگ بابا نے ایک نظر اُس ہاتھی کو دیکھا اور پھر کہنے لگے :

"ہاں، یہ ہمارے مطلب کی چیز ہے۔"

پھر اُنھوں نے اپنی جیب سے اُس سانپ کی راکھ کی پوٹلی نکالی جس کی جان میں نے مُنتقل کی تھی۔ اُنھوں نے وہ ساری کی ساری راکھ ہاتھی کے مُنہ میں اُنڈیل دی اور پھر پیچھے ہٹ گئے۔

راکھ کا ہاتھی کے مُنہ میں جانا تھا کہ پہلے تو وہ یُوں ایک دم بیٹھ گیا جیسے اُس میں کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی ہو اور پھر اُس کا سارا جسم اِس طرح سخت ہو گیا جیسے پتھرّ بن گیا ہو۔

پھر چند لمحے بعد ہی اُس کا پتھرّ کی طرح جسم خُشک لکڑیوں کے ڈھیر کی طرح جل اُٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ کے الاؤ کی شکل اختیار کر گیا۔ سارنگ بابا نے چندر گُپت سے کہا:

"شیش ناگ کے بیٹے! ہمیں کل صُبح تک انتظار کرنا پڑے گا۔ اُس وقت تک اِس آگ کی راکھ بالکل ٹھنڈی ہو جائے گی۔ پھر اِس راکھ میں سے وہ تحفہ نکلے گا جو دیوتاؤں کی طرف سے دیا جا سکتا ہے۔"

اگلی صُبح جب راکھ ہٹائی گئی تو نیچے سے انگاروں کی طرح سُرخ سُرخ لعل نکلے۔ ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، سو پچاس نہیں، کئی ہزار لعل، اور اُن میں سے ہر لعل مُرغی کے انڈے جتنا بڑا تھا۔

سارنگ بابا کی ہدایت کے مطابق اُوشا نے یہ لعل ایک تھال میں رکھ کر چندر گُپت کو بالکل اِسی طرح پیش کیے جس طرح اِس سے پہلے شیش ناگ کے سُرخ ہیرے سکندر کو پیش کیے تھے۔ سارنگ بابا نے کہا:

شیش ناگ کے بیٹے! قُدرت تُجھ پر اتنی مہربان ہے کہ اس سے پہلے کسی پر

نہیں ہوئی۔ شیش ناگ کے ہیرے ہیلن کے ساتھ تُجھے مل گئے ہیں۔ کیسر ناگ کا خزانہ تیرے دامن میں ڈالا جا چکا ہے اور اب قدرت یہ لعل تُجھے دے رہی ہے۔ ایسے لعل کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ ہوں گے۔ لیکن یادرکھ! اِس دولت پر گھمنڈ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھول نہ جانا۔ اپنے آپ میں رہنا۔ یہ نہ بھولنا کہ اِس دُنیا پر اَن دیکھی طاقتوں کی مرضی چلتی ہے اور ہم لاکھ چاہیں، ہوتا وہی ہے جو یہ اَن دیکھی طاقتیں چاہتی ہیں۔ یہ اَن دیکھی طاقتیں جب چاہیں ذرا سی دیر میں بڑے بڑے بلوانوں کو چِت کر دیتی ہیں۔"

چندر گُپت نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر لعلوں کا تھال اُوشا کے ہاتھ سے لیا اور پھر کہنے لگا۔

"باباجی، میں یہ باتیں ہمیشہ یادرکھوں گا۔ مُجھے یہ بھی ہمیشہ یادرہے گا کہ میں

جو کُچھ بھی ہوں، آپ کی مہربانی سے ہوں۔ سارنگ بابا، انوشا اور شیش ناگ کی بیٹی اُوشا کے بغیر شیش ناگ کا یہ بیٹا کُچھ بھی نہیں تھا۔ کُچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔"

اب جہلم کے کنارے وہ سارا کھیل ختم ہو چکا تھا جس کے لیے ناگیش مہاراج نے ہمیں یہاں بھیجا تھا۔ سلیوکس اور چندر گُپت کے درمیان لڑائی میں چندر گُپت کی جیت اور سلیوکس کی ہار ہوئی تھی۔ سلیوکس کی بیٹی ہیلن کی شادی چندر گُپت سے ہو چکی تھی۔ سلیوکس نے ہندوکش کے پہاڑی سِلسلے ایک کا علاقہ اپنی بیٹی کے جہیز میں دے دیا تھا۔ چندر گُپت نے اپنی فوج کے پانچ سو بہترین ہاتھی سلیوکس کے حوالے کر دیے تھے۔

پھر چند روز بعد سلیوکس پانچ سو ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ ہوا اور شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت موریہ کے ہیلن اور اُس کے

بھاری بھر کم جہیز کے ساتھ پاٹلی پُتر کی راہ لی۔ اِس کے ساتھ ایک عالم فاضل یونانی بھی تھا۔ اُس یونانی کا نام میگستھینز تھا اور اُسے سلیوکس کی طرف سے چندر گُپت کے دربار میں سفیر مقرّر کیا گیا تھا۔

پَرورپُور میں

ہم چناب تک چندر گُپت کے ساتھ رہے۔ وہ تو ہمیں اپنے ساتھ پاٹلی پُتر لے جانا چاہتا تھا، مگر چناب کے کنارے پہنچ کر سارنگ بابا نے اُس سے کہا:

"شیش ناگ کے بیٹے! قُدرت نے ہمیں جس کام سے تمہارے پاس بھیجا تھا، وہ پورا ہو چکا ہے۔ جب تک پاٹلی پُتر کی راج گدّی پہ تمہارا اور تمہارے خاندان کا راج رہے گا، پچھّم کا کوئی بادشاہ اِس طرف کا رُخ نہیں

کرے گا۔ اب یہاں سے ہمارے راستے جُدا ہو جاتے ہیں۔ تمہارا راستہ پاٹلی پُتر کی طرف ہے اور ہمارا راستہ کشمیر کی طرف۔"

چنانچہ چندر گُپت موریہ پاٹلی پُتر کی طرف روانہ ہو گیا اور ہم کشمیر کی طرف چل دیے۔ اب ہماری منزل پَرور پُور تھی، جہاں تکشک ناگ کے مندر میں میری خالہ میرا انتظار کر رہی تھی اور شاید پَرور پُور کے محل میں سارنگ بابا کا بھتیجا راجا رام بھی سارنگ بابا کا انتظار کر رہا تھا۔ پَرور پُور سے چلے تو صرف دو آدمی تھے، سارنگ بابا اور انوشا۔ مگر اب ہم واپس پَرور پُور جا رہے تھے تو دو کے بجائے چار ہو چکے تھے، شیش ناگ کی بیٹی اُوشا ہمارے ساتھ تھی۔ اُوشا کی ماں اور میری مامی مایا ہمارے ساتھ تھی۔

مایا کو اپنی بیٹی اُوشا مل چکی تھی مگر اِس کے باوجود وہ چُپ چُپ سی رہتی تھی۔ چُپ چُپ، اداس اور گہری سوچوں میں کھوئی ہوئی۔ شاید اِس لیے کہ

بجرنگ کے کہنے کے مطابق وہ اپنی بیٹی اُوشا اور اپنے بھانجے انوشا کے ساتھ جہلم کے پار آ گئی تھی، بلکہ جہلم سے چل کر اب چناب کے بھی پار آ چُکی تھی۔ مگر ابھی تک اُسے اپنا کوئی اشواک بھائی بند نہیں ملا تھا۔

چناب کے کنارے سے ہم چلے تو سیدھے پَرورپُور پہنچے۔ میری خالہ سچ مُچ میرا انتظار کر رہی تھی۔ شاید پہلے کی طرح اب بھی میری ماں کی روح نے اُسے میرے آنے کی خبر دے دی تھی۔

خالہ نے پہلے سارنگ بابا کے قدم لیے، پھر مُجھے سینے سے لگا کر میرا ماتھا چوما اور سارنگ بابا سے کہنے لگی :

"کہیے مہاراج، انوشا بیٹے نے آپ کو مایوس تو نہیں کیا؟"

"تُم بھی کیا بات کرتی ہو، بہن۔ تمہاری دعاؤں سے پچھّم سے لے کر پُورب

تک کوئی راجا ایسا نہیں جس نے انوشا کے آگے سر نہ جھُکایا ہو۔ راجا امبھی، راجا پورس، راجا سُدھانند سے لے کر یوگانند تک، چندر گُپت موریہ، سکندر اور سلیوکس تک کا سر تمہارے انوشا کے سامنے جھُکا ہے۔ مگر تمھارے قدموں میں رہے گا۔ تمہاری خدمت کرے گا۔"

پھر سارنگ بابا مایا اور اُوشا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے :

"اِدھر تو دیکھو! تُم نے اُنہیں نہیں پہچانا؟"

خالہ نے چند لمحے مایا کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی :

"میں کوئی سپنا دیکھ رہی ہوں یا سچ مچ میرے سامنے میری بھابی مایا دیوی کھڑی ہیں؟"

"یہ کوئی سپنا نہیں ہے بہن۔" سارنگ بابا بولے۔ "تمہارے سامنے

تمہاری بھابی مایا ہے اور یہ تمہاری بھتیجی اُوشا ہے، جسے تمہارے بھائی نے پیدا ہوتے ہی دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا تھا اور تمہاری بھابی مامتا کی ماری، اُوشا کے پیچھے پہلے ہی دریا میں کود گئی تھی۔"

خالہ نے خُوشی کی ایک چیخ مار کر مایا اور اُوشا دونوں کو گلے لگا لیا۔

"دیکھا بہن! قُدرت کیسے ایک کے تین تین دیتی ہے۔" سارنگ بابا بولے۔ "میں صرف تمہاری بہن کی نشانی انوشا کو ساتھ لے گیا تھا، واپس آیا ہوں تو تمہاری بہن کی نشانی انوشا کے علاوہ تمہارے بھائی کی بیوی اور بیٹی بھی میرے ساتھ ہے۔ اِسے کہتے ہیں چپڑی اور دو دو۔"

خالہ ہم سب کو گھر لے گئی۔ خالہ کا شوہر جب مندر سے واپس آیا تو وہ بھی ہم سب کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔

وہ تمام رات ایک مدّت کے بچھڑے ہوؤں نے باتیں کرتے گزاری۔ یہ باتیں خالہ اور مایا کے درمیان ہو رہی تھیں یا سارنگ بابا اور خالہ اور مایا ان دِنوں کی یاد تازہ کر رہی تھیں جو پشکلاوتی میں گزارے تھے اور سارنگ بابا اُنہیں وہ واقعات سُنا رہے تھے جو ہم پہ بیت چُکے تھے۔

یادوں کا یہ سِلسِلہ سارے کا سارا خوشگوار نہیں تھا۔ بساگا مایا کا میکہ تھا اور پشکلاوتی میری خالہ کا میکہ۔ جس طرح مایا کو اپنے میکے کی تباہی کی خبر سُن کر دُکھ ہوا تھا، اِسی طرح میری خالہ نے پشکلاوتی کی تباہی اور اپنے بھائی کی موت کا سُن کر دُکھ محسوس کیا تھا۔ دُکھ کی اِس کہانی میں سُکھ کا سانس اگر تھا تو صرف اتنا کہ جس سکندر نے مساگا اور پشکلاوتی کو تباہ کیا تھا، اُسی سکندر نے ٹیکسلا میں سارنگ بابا اور انوشا کے سامنے سر جھُکایا تھا۔ پھر بات کے پچھلے پہر میری آنکھ لگ گئی۔ سارنگ بابا، خالہ مایا اور اُوشا باتیں کرتے

رہے اور میں اُن کے پاس ہی زمیں پر لیٹ گیا۔

اور اِس نیند کی حالت میں، مَیں نے ایک خواب دیکھا۔ یہ خواب ویسا ہی تھا جیسا میں نے مکتی ناتھ میں راجا شبدیال کے محل میں اُس رات دیکھا تھا جب ہم نے راج کُمار کیلاش کے سپنوں کی رانی کانگ مار کی سپیرن چندرا کو اس کے اصل ناگن کے روپ میں لا کر پٹاری میں بند کیا تھا، مگر آگے کر ذرا مختلف ہو جاتا تھا۔

میں پشکلاوتی میں شیش ناگ کے مندر میں ناگ دیوتا کی مورتی کے پاس لیٹا ہوا تھا۔ میرے ایک طرف میری ماں کھڑی تھی اور دوسری طرف میرا ماموں جو شیش ناگ کے مندر کا پروہت تھا۔ دونوں بہن بھائی مُسکراتے ہوئے میری طرف دیکھتے تھے اور آپس میں اِشاروں اِشاروں میں کُچھ باتیں کرنے لگتے تھے۔ پھر مندر کے دروازے سے اُوشا اندر داخل

ہوئی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں گلاب کا پھُول تھا اور دائیں ہاتھ میں ایک کٹار جس کی دھار بڑی تیز تھی۔

اُوشا سیدھی میری طرف آئی اور میرے قدموں کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے پہلے میرے ماموں کی طرف دیکھا اور پھر میری ماں کی طرف۔ اُس نے اشاروں میں اُن کے ساتھ باتیں کیں۔ پھر وہ آگے بڑھ کر جھکی، اپنے دائیں ہاتھ میں تھامی ہوئی کٹار سے میرا سینہ چیرا اور سفید گلاب کا پھول میرے سینے کے اندر رکھ کر سینے کو پھر سے بند کر دیا۔ ایسا کر کے اُس نے پہلے میرے ماموں کی طرف دیکھا اور پھر میری ماں کی طرف۔ اُس نے اِشاروں میں اُن سے باتیں کیں، پھر تھک کر اُنہیں سلام کیا اور واپس جانے لگی۔

میرے سینے سے نہ تو خُون نکلا تھا اور نہ میں نے کوئی تکلیف محسوس کی

تھی۔ گلاب کا پھُول میرے سینے کے اندر رکھنے کے بعد اُوشا نے میرا سینہ یوں بند کر دیا تھا جیسے اُسے چیرا ہی نہ تھا۔ مُجھے یہ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ میرے سینے کے اندر کوئی چیز رکھی ہوئی ہے۔

اُوشا کے جانے کے بعد میرے ماموں اور ماں مُسکراتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگے۔ اُنہوں نے پھر آپس میں اشاروں میں کُچھ باتیں کیں۔ اِس کے بعد ماموں مُجھ پر جھُکے اور میرا ماتھا چوم کر باہر کی طرف بڑھ گئے۔ اُن کے جانے کے تھوڑی دیر بعد تک میری ماں مُسکراتے ہوئے میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ اُس نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، گالوں کو مامتا بھرے انداز میں تھپ تھپاتے ہوئے چُوما اور پھر یُوں میرا کندھا جھنجھوڑتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی جیسے کہہ رہی ہو:

"اچھّا، انوشا بیٹے! اب میں جاتی ہوں۔"

مگر اُٹھنے کے بجائے وہ پھر وہیں بیٹھ گئی، اِس لیے کہ کسی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ماں نے اور میں نے نظریں اُٹھا کر دیکھا۔ مایا اُوشا کو ساتھ لیے کھڑی تھی اور میری ماں کی طرف یُوں شکایت بھرے انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو:

"کیا اُوشا میری بیٹی نہیں ہے، یا تمہارا انوشا میرا کُچھ نہیں لگتا؟"

ماں مایا کو دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی اور پھر مُسکرانے لگی۔ مایا تھوڑی دیر تک اِسی طرح میری ماں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے اُوشا کا ہاتھ میری ماں کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے ایک خاص انداز سے اُس کی طرف دیکھا۔ مُجھے یُوں لگا جیسے وہ کہہ رہی ہے:

"تم یہیں ٹھہرو! میں اپنے بھائی کو لے کر آتی ہوں۔"

اور پھر وہ باہر کی طرف بڑھی تو اُس کا پیر میرے پاؤں سے ٹکرایا۔ اور اِس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھُل گئی۔

میں نے چونک کر اپنے اِرد گرد دیکھا۔ میں اپنی خالہ کے گھر میں تھا اور دِن کا اُجالا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ ایک دم مُجھے یاد آیا کہ رات سارنگ بابا، خالہ، مایا اور اُوشا میرے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور رات کے پچھلے پہر مُجھے نیند آ گئی تھی۔ مگر اب وہاں نہ سارنگ بابا تھے اور نہ مایا اور نہ اُوشا۔ صرف میری خالہ تھی جو پیار بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ میرا ماتھا چومتے ہوئے کہنے لگی :

"بہت سو لیے، انوشا بیٹے۔ اب جلدی سے تیّار ہو کر راجا رام کے محل میں پہنچو۔ سارنگ بابا مایا اور اُوشا وہیں گئے ہیں۔ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

انوشا کی واپسی

راجا رام کے محل میں سچ مُچ میرا انتظار ہو رہا تھا۔ مگر ایک ایسے انداز سے جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا۔

سارا دربار راجا کے درباریوں اور شہر کے معزّز لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُنہیں دیکھ کر مُجھے وہ وقت یاد آ گیا جب راجا انبارائی کے سپاہی ہٹّے کٹّے رامو کو پکڑ کر دربار میں لائے تھے اور لوگ اُس کے مقدمے کا تماشا دیکھنے کے لیے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ آج وہی رامو سارنگ بابا کی مہربانی

سے راجا رام بن کر راج گدّی پر بیٹھا تھا مگر لوگ دربار میں اِس لیے نہیں آئے تھے کہ راجا انبارائی کے دور کی طرح کسی ہٹّے کٹّے رامو کے مقدمے کی کارروائی دیکھیں۔ وہ دربار میں کسی اور ہی غرض سے آئے تھے۔

جیسے ہی میں دربار میں پہنچا، ایک شور سا مچ گیا۔

"آ گئے! انوشا جی آ گئے؟"

لوگوں کے اِس شور کے درمیان میں اِس جگہ پہنچا جہاں ایک طرف راجا رام اپنی رانی چندا اور بیٹے رتن کے ساتھ کھڑا تھا اور دوسری طرف سارنگ بابا، مایا اور اُوشا کے ساتھ کھڑے تھے۔

میرے وہاں پہنچتے ہی مایا نے راجا رام کی طرف دیکھا اور راجا رام نے

سارنگ بابا کی طرف۔ پھر سارنگ بابا نے اُوشا کی طرف دیکھتے ہوئے کُچھ اشارہ کیا۔ اُوشا نے ہاتھ بڑھا کر سفید گلاب کے پھولوں کا وہ ہار اُٹھا لیا جو اُس کے قریب ایک تھال میں رکھا تھا۔ ہار دونوں ہاتھوں میں لیے اور سر جھُکائے وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے میری طرف آئی، ہار میرے گلے میں ڈالا اور پھر سر کے اشارے سے جھُک کر سلام کرتے ہوئے ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

اس کے ساتھ ہی دربار مبارک باد کے شور سے گُونج اُٹھا۔ "مبارک ہو! مبارک ہو!"

راجا رام، رانی چندا اور مایا مُسکراتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں حیران اور ہکّا بکّا سا سارنگ بابا کی طرف بڑھا اور بولا:

"یہ سب کیا ہے مہاراج؟"

سارنگ بابا مُسکرا دیے۔ "کیا تُم اتنے ہی مُورکھ ہو کہ یہ بھی نہیں جان سکے کہ اُوشا نے جے مالا تمہارے گلے میں ڈالی ہے؟"

"لیکن مہاراج!" میں نے کہا۔ "شادی بیاہ کیا یُوں اچانک ہوا کرتے ہیں؟"

سارنگ بابا ہنس دیے۔ "انوشا بیٹے تمہاری ماں اور تمہارے ماموں نے تو یہ فیصلہ بہت پہلے کر دیا تھا۔ تمہیں اپنا وہ خواب تو یاد ہی ہو گا جو تم نے مکتی ناتھ میں دیکھا تھا۔ وہی جس میں اُوشا نے تمہارا سینہ چیرا کر گلاب کا سفید پھول اُس کے اندر رکھا تھا۔ شاید تمہاری یہ شادی اُسی وقت ہو جاتی لیکن قُدرت اُوشا کی ماں اور ماموں کو اس خوشی سے محروم نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"اوشا کی ماں اور ماموں!" میں نے حیرانی سے کہا۔

مایا میری طرف ایک قدم بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔ "انوشا بیٹے! تمہیں بجرنگ کی بات تو یاد ہوگی۔ جب میں نے اُوشا کو پانے کے بعد اپنے ماں باپ کے پاس جانے کی بات کی تھی تو بجرنگ نے کہا تھا کہ مایا بہن میں تمہیں یہاں لایا تھا تاکہ تُم اپنی بیٹی سے مل سکو۔ اب اگر تُم اپنے کسی بھائی بند سے ملنا چاہتی ہو تو اپنی بیٹی اُوشا اور اپنے بھانجے انوشا کے ساتھ جہلم کے پار چلی جاؤ۔ یہاں تمہیں کوئی اشواک نہیں ملے گا۔ یاد ہے نا؟"

"بڑی اچھی طرح یاد ہے، مامی" میں نے کہا

"تو میں تمہارے اور اُوشا کے ساتھ جہلم کے پار آ گئی تھی۔ میں دن رات سوچتی تھی کہ بجرنگ کا کہا غلَط تو نہیں ہو سکتا، پھر مجھے ابھی تک کوئی اشواک

کیوں نہیں ملا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ بجرنگ کی بات پَرور پور آ کر پوری ہوگی۔"

"میں آپ کی بات نہیں سمجھا!"

"یہ تمہارے راجا رام ہیں نا؟" مایا نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"یہ تو سارنگ بابا کے بھتیجے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں، بیٹے۔" مایا بولی۔ "سارنگ بابا کے بھتیجے ہیں اور میرے بڑے بھائی۔ اب تُم خود حساب لگا لو کہ سارنگ بابا میرے کیا لگے اور تمہارے اور اُوشا کے کیا لگتے ہیں؟"

میں نے آگے بڑھ کر سارنگ بابا کے ہاتھ تھام لیے۔

"مہاراج! کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں!"

"تو پھر آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

سارنگ بابا مُسکرا دیے۔ "انوشا بیٹے! اِس دُنیا پر ہمارا اور تمہارا نہیں، قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں کا راج ہے۔ ہم اُن کی مرضی کے خلاف ہاتھ پاؤں کیا، زُبان تک نہیں ہلا سکتے۔ قُدرت کی طرف سے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرّر ہے۔ اِس سے پہلے وہ کام نہیں ہو سکتا۔ کسی صورت بھی نہیں ہو سکتا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ تُم کوشش کے باوجود اُوشا کو نہیں بتا سکے تھے کہ تمہاری ماں اور اُس کا باپ دونوں بہن بھائی تھے۔ اور یہ بات اُوشا کو تب معلوم ہوئی جب تُم دونوں ہیلن کی تلاش کو گئے تھے۔

یاد رکھو! انسان دُنیا بھر کی طاقتوں کو اپنے آگے جھکا سکتا ہے مگر قُدرت کے سامنے اُسے خود جھکنا پڑتا ہے۔ مجھے یہ باتیں پہلے سے معلوم تھیں مگر قُدرت نے یہ ساری خوشی آج کے لیے رکھ چھوڑی تھی۔ تمہاری خالہ کے لیے۔ تمہاری ماں اور اُوشا کے لیے۔۔۔ اور میرے بھتیجے کے لیے!"

"تو کیا خالہ کو اِن سب باتوں کا علم ہو چکا ہے؟"

"ہاں بیٹے۔" سارنگ بابا نے کہا۔ "انہیں رات ہی علم ہو گیا تھا۔ اُس وقت جب تم دوسری بار وہ سپنا دیکھ رہے تھے جس میں اُوشا نے تمہارا سینہ چیر کر سفید گلاب کا پھول اُس کے اندر رکھا تھا۔"

تو گویا قُدرت کی مرضی شروع ہی سے یہی تھی۔ اور میں نے قُدرت کی

مرضی کے آگے سر جُھکا دیا۔

پھر شادی کی رسمیں ادا ہوئیں، منتر پڑھے گئے، چندن کی لکڑی سے آگ روشن کی گئی، اُس پر گھی کے چھینٹے ڈالے گئے، اور پھر میں نے اور اُوشا نے آگے پیچھے چلتے ہوئے اُس آگ کے گرد سات پھیرے لگائے۔ اور یُوں وہ اُوشا جو کبھی پورس کے دربار کی نامور رقاصہ تھی، شیش ناگ کی وہ بیٹی جسے چندر گُپت نے اپنی مُنہ بولی بہن بنایا تھا، وہ اُوشا جو ٹیکسلا سے پاٹلی پُتر تک ہر مُہم میں انوشا کے ساتھ رہی تھی، انوشا کی بیوی بن گئی۔ ہم پہلے بھی ایک دوسرے کے ساتھی تھے، مگر اب قُدرت نے ہمیں ایک دوسرے کی زندگی کا ساتھی بنا دیا تھا۔ میری خالہ کی خوشی کی خاطر۔ اُوشا کی ماں مایا کی خوشی کی خاطر۔ اُوشا کے ماموں راجا رام کی خوشی کی خاطر۔ میری ماں اور میرے ماموں کی رُوحوں کی خوشی کی خاطر۔ اور اُن ساری خوشیوں

میں رنگ بھرنے والے سارنگ بابا تھے۔

اوراِن ساری خوشیوں میں رنگ بھرنے والے سارنگ بابا صرف چند دِن اور پَرور پُور میں رہنے کے بعد شوالک کی طرف چل دیے۔ جہاں شیل شرنگن کی پہاڑی پراُن کے گرو ناگیش مہاراج رہتے تھے۔

مایا چند دِن کے لیے اپنے بھائی راجا رام کے پاس رہی اور پھر میں اُسے خالہ کے پاس لے آیا۔ اور یوں میری وہ زندگی شروع ہوئی جو میری پہلی زندگی سے بالکل مختلف تھی۔ مُجھے یوں لگا جیسے ایک طویل عرصے تک تپتی دھوپ اور جلتی ریت پر سفر کرنے کے بعد میں ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں آگیا ہوں۔ یہ چھاؤں میری خالہ کی چھاؤں تھی۔ میری مامی اور اُوشا کی ماں مایا کی چھاؤں تھی۔

اور اِس کے بعد میری زندگی خالہ اور مامی کی خدمت میں بسر ہونے لگی۔ پُورب سے پچھّم تک چھوٹے بڑے ہر راجا نے میرے آگے سر جھُکایا تھا مگر جو خوشی مُجھے اپنی خالہ اور مامی کی خدمت کر کے ہو رہی تھی، وہ اپنے سامنے کسی راجا کا سر جھُکتے دیکھ کر بھی نہیں ہوئی تھی۔ خالہ اور مامی نے مُجھے اپنی شفقت اور محبّت کے سائے میں لے رکھا تھا اور میں یوں محسوس کرتا تھا جیسے میں سچ مُچ شیش ناگ اور تکشک ناگ کے سائے میں ہوں۔ اور اُوشا بھی یہی کُچھ محسوس کر رہی تھی۔

انوشا ہمیشہ کے لیے اپنی خالہ کے پاس پَرور پُور آ گیا تھا، مگر قُدرت کا زبردست ہاتھ ایک بار پھر اُسے ٹیکسلا لے گیا جہاں اُس کی ملاقات چندر گُپت موریہ کے پوتے اشوک سے ہوئی۔ اور یوں انوشا ایک بار پھر راجاؤں کی دُنیا میں آ گیا۔ مہا راجا اشوک اور اُس کے جانشینوں کے دور میں اُس نے کیا کُچھ دیکھا؟ یُونانی سپہ سالار میفاندر کے ہاتھوں مگدھ کی عظیم سلطنت پر کیا بیتی؟ سنگ، کانوا، آندھرا اور دوسرے راجاؤں کے سامنے انوشا نے اپنی پُراسرار طاقتوں کے لیے کیسے کیسے کرشمے دکھائے؟ یہ سب کُچھ جاننے کے لیے "انوشا کی آپ بیتی" کا آٹھواں حصّہ "انوشا اور اشوکِ اعظم" پڑھیے۔